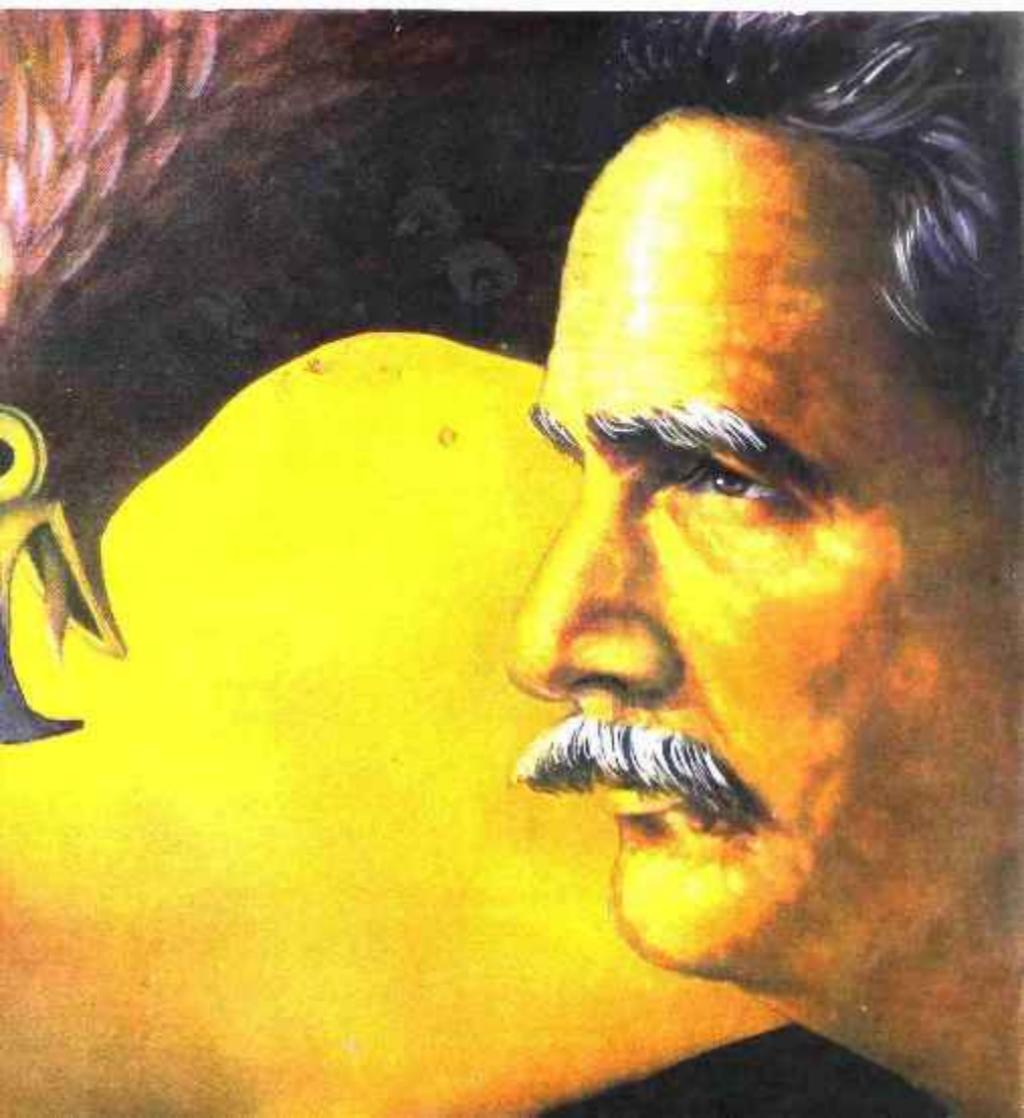


بائیگ دَرا

ڈاکٹر اقبال



بانگ درا

(مجموعہ کلام اردو مرتبہ مصنف)

علامہ اقبال

نذرِ سپلیشرز
۱۰۔ اے ارڈو بازار ۰ لامو

ج 1995

نذر حسین نے
ڈاہر پیشہ پیشہ سے چپوا کر
نذر حسین پیشہ پیشہ - لاہور سے شائع کی۔

قیمت : 60 روپے

فہرست

	حصہ اول (۱۹۰۵ء تک)
۲۳	آفتاب (ترجمہ گاہیری)
۲۵	شمع
۲۶	ایک آرزو
۲۸	آفتاب صبح
۲۹	درد عشق
۳۰	جھل پر مردہ
۳۰	سیدگ کوچ تربت
۳۱	ماہ نو
۳۲	انسان اور بزم قدرت
۳۳	پیام صبح
۳۴	عشق اور سوت
۳۵	زہد اور رندی
۳۶	شاعر
۳۶	دل
۳۸	موج دریا
۳۸	رخصت اے بزم جہاں
۴۰	طفل شیر خوار
	ہمالہ
	گل زنگی
	عبد طعنی
	مرزا غالب
	ابر کوہسار
	ایک مکڑا اور مکھی
	ایک پھاڑ اور گھری
	ایک گائے اور بھری
	بچے کی دعا
	ہمدردی
	ماں کا خواب
	پرندے کی فریاد
	خفتگان خاک سے استفسار
	شمع و پروانہ
	عقل و دل
	صدائے درد

۷۳	پیام	۳۲	تعمیر درد
۷۴	سوامی رام تیرخت	۳۹	نالہ فنراق
۷۵	طلبہ علی گڑھ کا لج کے نام	۵۰	چاند
۷۶	اختر صبح	۵۱	بلال
۷۷	حسن و عشق	۵۲	سرگزشت آدم
۷۸	کی گود میں بلی دیکھ کر	۵۳	ترانہ ہندی
۷۹	کل	۵۴	جنو
۸۰	چاندا در تارے	۵۵	صبح کا ستارہ
۸۱	دصال	۵۶	ہندوستانی پکوں کا قومی گیت
۸۲	سیلی	۵۷	خاشواہ
۸۳	عاشت ہر جاتی	۵۸	داع
۸۴	کوشش ناقام	۵۹	بر
۸۵	لوائے غم	۶۰	ایک پرندہ اور جنگو
۸۶	عشرت امروز	۶۱	بچہ اور شمع
۸۷	انسان	۶۲	کتاب راوی
۸۸	حبلہ حسن	۶۳	البخاری مسافر
۸۹	ایک شام	۶۴ تا ۶۷	غزیبات
۹۰	تہسائی	۶۸ تا ۶۹	حدائق و مکان (۱۹۰۵ء تک)
۹۱	پیم عشق	۷۰	محبت
۹۲	فنراق	۷۱	حقیقت حسن
۹۳	عبد القادر کے نام	۷۲	

۱۲۳	مودر	۸۸	عقولیات صنعتیہ
"	"	۹۴۶۹	حصہ سوم (شہر سے)
۱۲۴	خطاب بوجوانان اسلام	۹۸	بلادِ اسلامیہ
۱۲۵	غرة شوال یا ہل عید	۹۹	ستارہ
۱۲۶	شمع اور شاعر	۱۰۰	دوستارے
۱۲۷	سلم	۱۰۱	گورستانِ شاہی
۱۲۸	حضرت رسالت ماتب میں	۱۰۲	نمودِ صحیح
۱۲۹	شفا خانہ حباز	۱۰۳	تعقین پر شعر نیس شاملو
۱۳۰	جوابِ شکوہ	۱۰۴	فلسفہِ عمر
۱۳۱	ساقی	۱۰۵	پھولوں کا تختہ عطا ہونے پر
۱۳۲	تعلیم اور اس کے نتائج	۱۰۶	تزانہ ملی
۱۳۳	قربِ سلطان	۱۰۷	وطینت
۱۳۴	شاعر	۱۰۸	ایک حاجی مدینے کے راستے پر
۱۳۵	نویدِ صحیح	۱۰۹	قطعہ
۱۳۶	دعا	۱۱۰	شکوہ
۱۳۷	عبد پر شعر لکھنے کی فرمایش کے	۱۱۱	چاند
۱۳۸	جواب میں	۱۱۲	بزمِ انجمن
۱۳۹	فاطمہ بنت عبد اللہ	۱۱۳	سیرِ فلک
۱۴۰	شبیم اور ستارے	۱۱۴	نصیحت
۱۴۱	محاضرہ اور زندہ	۱۱۵	رام
۱۴۲	غلام قادر رہیلہ	۱۱۶	

۱۴۳	فردوس میں ایک مکالمہ	۱۵۲	ایک مکالمہ
۱۴۴	مذہب	۱۵۵	میں اور تو
۱۴۵	جنگ برموک کا ایک واقعہ	"	تفصیل برشرا ابوطالب گلیم
"	مذہب	۱۵۶	شبل وحال
۱۴۷	بیوستہ رہ تحریر سے امیر بمار کھ	۱۵۷	ارتقا
"	شبِ معراج	"	صدیق
۱۴۸	پھول	۱۵۸	تمذیب حاضر
"	شیکسپیر	۱۵۹	والدہ مر جو مر کی یاد میں
۱۴۹	میں اور تو	۱۶۰	شاعر آفتاب
۱۵۰	اسیری	۱۶۱	عمری
۱۵۱	دریوزہ خلافت	۱۶۲	ایک خط کے جواب میں
۱۵۲	ہمایوں	۱۶۳	نانگ
۱۵۳	حضر راہ	۱۶۴	کفر و اسلام
۱۵۴	طلوں اسلام	۱۶۵	بلال
۱۵۵	غزلیات	۱۶۶	مسلمان اور تعلیمِ حبید
۱۵۶	ظریفانہ	۱۶۷	پھولوں کی شہزادی
۱۵۷		۱۶۸	تفصیل برشرا صاحب

حصہ اول

(۱۹۰۵ء تک)

ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیل کشورِ ہندوستان
 جو متا ہے تیری پیشائی کو جھک کر آسمان
 بچھ میں کچھ سیدا نہیں دیرینہ درزی کئے شان
 تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیان
 ایک جلوہ تھا کلیم طورِ سینا کے لیے
 تو تجلی ہے سراپا چشم سینا کے لیے
 امتحانِ دیدۂ ظاہر میں کوہستان ہے تو پاباں اپنا ہے تو، دیوارِ ہندوستان ہے تو
 مطلعِ اولِ فلک جس کا ہو، وہ دیوال ہے تو سوئے خلوتِ گاہِ دل دامنِ کشِ انساں ہے تو
 برفت نے باندھی ہے ستارِ فضیلت تیرے سر
 خندہ زن ہے جو کلاہِ عمرِ عالم تاب پر
 تیری عمرِ رفتگی اک آن ہے عمدہِ کمن دادیوں میں ہیں تری کالی چٹائیں خیزِ زن
 چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرمِ سمن تو زمیں پر اور پہنکے فلک تیرا وطن
 چشمہِ دامنِ ترا آئیستہ سیال ہے
 دامنِ موج ہوا جس کے لیے روہاں ہے
 ابر کے ہاتھوں میں ہوا رہوا کے دلسط تازیا نہ دے دیا برقِ سر کو ہمارے
 اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تو بھی ہے دستِ قدر نے بنایا ہے غماصر کے لیے
 ہاگے کیا فرطاطرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
 فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

۶

جنشِ موج نیم صبح گھوارہ بنی جھومتی ہے نشہ ہستی میں ہر گل کلکا
 یوس زبان پر گ سے گویا ہے اس کی خاشی دست گھپیں کی جھٹک میں نے نہیں بھی کبھی
 کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا
 کچھ خلوت خانہ قدرت بے کاشانہ مرا
 آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوتی کوثر و تسلیم کی موجودوں کو شرماتی ہوتی
 آہست شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوتی سنگ و سے گاہی بھی ، گاہ نہ کرتی ہوتی
 پھیرتی جا اس عراقِ دلنشیں کے ساز کو
 اے صافِ ادل سمجھتا ہے تری آواز کو
 یعنی شب کھولتی ہے اکے جب زلفتِ رسا دامنِ دل کھنپتی ہے آبشاروں کی صدا
 و خوشیِ شام کی جس پر تکلم ہو فدا وہ درختوں پر غفرانکار سماں چھایا ہوا

فہرست

کاپنیا پھرتا ہے کیا رنگ شفق کسار پر
 خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر
 اے چمارا دا استان اُس وقت کی کوئی سنا مسکن آبادے انساں جب بنا دامن ترا
 کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا داع جس پر غازہ رنگ تخلف کا نہ تھا
 ہاں دکھادے اے تصور! پھر وہ صبح و شام تو
 دوڑ پھیے کی طرف اے گردش ایام تو

گلِ رنگیں

اے گلِ رنگیں ترے پہلو میں شاید لہنیں تو شناسے خراش عقده مشکل نہیں
 یہ فراغتِ بزم ہستی میں مجھے حاصل نہیں زیبِ محفل ہے شریکِ سورشِ محفل نہیں

اس چون میں میں سر اپا سوز و ساز آرزو
 اور تیسری زندگانی بے گدا ن آرزو
 توڑ لینا شاخ سے بچھ کو مرا آئیں نہیں یہ نظر غیر از نگاہ چشم صورت میں نہیں
 آہ! یہ دستِ جفا جوا سے گلِ رنجیں نہیں کس طرح بچھ کو کیجاوں کہ میں گلِ پیں نہیں
 کام بچھ کو دیدہ حکمت کے الجھیروں کے کیا
 دیدہ بیبل سے میں کرتا ہوں ظفارہ ترا
 سوز بانوں پر بھی خاموشی بچھے منظور ہے راز وہ کیا ہے تو سے یعنی میں جوستہ ہے
 میری صورت تو بھی اک برگِ یاض طوہبہ میں چون سے فور ہوں تو بھی چون سے دور ہے
 مطمئن ہے تو پریشان مثل بُور ہتا ہوں میں
 رخیٰ شمشیرِ ذوقِ جستجو رہتا ہوں میں
 یہ پریشانی مری سامانِ جمیعت نہ ہو یہ جگہ سوزی چراغِ خانہ حکمت نہ ہو
 ناتوانی ہی مری سرمایہ قوت نہ ہو رشکِ جامِ جم مرا آئی سنا حیرت نہ ہو
 یہ تلاشِ متصلِ شمعِ جماں افر و زہے
 تو سن ادراکِ انسان کو حشرامِ آموزہ ہے

عَمَدَ طَفْلِي

سختے دیارِ نور میں دَآسمان میرے لیے دعستِ آنکوش بادر اک جماں میرے لیے
 بھی ہر اک جنبشِ نشان لطفِ جان میرے لیے حرف بے طلب بھی خود میری نبا میرے لیے
 درِ طعنی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے
 شورشِ زنجیر در میں لطفِ آنا تھا مجھے

جنت رہنا ہاتے اور پروں تک رُتے قر وہ پھٹے بادل میں بے آوانہ پاؤں کا سفر
پوچھنا رہ رہ کے اُس کے کوہ دھرا کی خبر اور وہ حیرت درونِ مصلحتِ امیر رہا
آنکھ و قفت دیدی تھی، لب مائل گفتار تھا
دل نہ تھامیں اسرا پا ذوقِ استفسار تھا

هر زاغِ عالم

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا ہے پر مرعِ تجھیں کی رسائی تا جو گا!
خاسرا پاروچ تو، بزمِ حسن پسکر ترا زبیبِ محفل بھی رہا، محفل سے پہنچ گئی
دید تیری آنکھ کو اُسِ حسن کی منظوہ ہے
بن کے سوزِ زندگی ہرشے میں جو شتوہ ہے

محفل ہستی تری بر بسط سے ہے سرمایہ دار جس طرحِ ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسدا
تیرے فردوسِ تجھیں سے ہے قدر کی ہمار تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالمِ بزہ دار،
زندگی مضمیر ہے تیری شوخی تختیر میں

تاب گویا تی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں

نطیق کو سونا زہیں تیرے لبِ اعجاز پر محوجہت ہے شریارِ قحط پر داز پر
رشا مضمونِ تصدق ہے ترے انداز پر خندہ زن ہے غنچہ دلی گملِ شیر از پر
آہ! تو اُجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویبر میں تیرا ہم نواخوا بیدہ ہے

۱۔ ویبر۔ جوشی کا مشور شاعر گوئے اس جگہ مدفن ہے

لطفِ گویا تی میں تیری ہمسری ممکن نہیں ہو تخلیل کا نہ جب تک فکرِ کامل نہیں
ہاتھے! اب کیا ہو گئی ہندوستان کی نہیں! آہ! اے نظارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیس!

گیسوئے اُرد و ابھی منت پر بیٹانہ ہے
شمع یہ سودا تی دل سوزی پروانہ ہے

اے جہاں آپا دا اے گھوارہ علم و میر یہ سراپا نالہ خاموش تیر سے ہام و در
ڈرے ڈرے میں ترے خوابیدہ ہیں میں قفر یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لکھوں اور
دفن بجھ میں کوئی خیزِ روز کارایسا بھی ہے؟
بجھ میں پنهان کوئی موقعی آبدار ایسا بھی ہے؟

ایمِ کوہ سارہ

ہے بلندی سے فلک بوس نہیں میرا ایمِ کسار ہوں محل پاکش ہے داں میرا
کبھی صحراء، کبھی گلزار ہے مسکن میرا شہر و بیرون مرا، بھر مرا، بن میرا
کسی دادی میں جو منظور ہو سونا بجھ کو
بجزہ کوہ ہے محفل کا بچھونا بجھ کو
مجھ کو قدرت نے کھایا ہے دُرافشاں ہونا ناقہ شاپدِ رحمت کا حُدی خواں ہونا
غم زدائے دل افسرہ دہقاں ہونا رونقِ بزم جوانان گلستان ہونا
بن کے گیسوڑ خ ہستی پر بھرجاتا ہوں
شانہ موچھِ صرص سے سخوار جاتا ہوں

دور میں دیدہ اُمیں کو ترساتا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گزر جاتا ہوں
سیر کرتا ہوا جس دم لب جو آتا ہوں بالیاں سن کو گرداب کی پہناتا ہوں

بیزہ مہر زرع تو خیر کی اُمیسہ ہوں میں
 زادہ بکھر ہوں، پر وردہ خور شید ہوں میں
 چشمہ کوہ کو دی شورش قلزم میں نے اور پرندوں کو کیا محو ترجمہ میں نے
 سر پر بیزہ کے کھڑے سے ہوئے کہا قم میں نے غنیمہ گل کو دیا ذوق تسلیم میں نے
 فیض سے سیرے نہونے میں شبتابوں کے
 بھونپڑے دامن کمسارین ہ تعالوں کے

ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

پھول کے لیے
 اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکلا
 اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تھا را
 بھولے سے کبھی تم نے بیاں پاؤں شرکھا
 لیکن مری کشیا کی نجاتی کبھی قسمت
 اپنوں سے مجھ چاہتے ہیں یوں کھج کے رہنا
 غیروں سے نہیں تو کوئی بات نہیں ہے
 آدھو مرے گھر میں تو عزت ہے میری
 سامنے سیڑھی پے جو منظور ہو آتا
 مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی قبولی
 حضرت اکبی نادان کو دیجے گا یہ دھکا
 اس جاں میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
 جو آپ کی سیڑھی پڑھتا، پھر نہیں اُترا

مکڑے نے کہا: واه! فریبی مجھے سمجھے
 تم سا کوئی نادان نہانے میں نہ ہو گا
 کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
 مختبر جو مرے گھر میں تو ہے اس میں رکایا
 اس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
 اُرتی ہوتی آتی ہو خدا جانے کہاں سے

لشکے ہوئے درازوں پر باریک ہیں پڑے
دمانوں کے آرام کو حافظ ہیں بچونے
مکھی نے کہا، خیر! یہ سب مٹیک ہے لیکن
ان زمین پھولوں سے خدا مجھ کو بچاتے
سو جائے کوئی ان پر تو پھر امتحان نہیں سکتا!

مکھی نے کہا دل میں ہنسنی جوبات اس کی
سکولام خوشامد سے نسلتے ہیں جہاں میں
یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بی!
ہوتی ہے اُسے اپ کی صورت سے محبت
آشیخیں ہیں کہ بہیرے کی چمکتی ہوتی گینا
چھسن، یہ پوشک، یہ خوبی، یہ صفائی
مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پسیجی،
انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں بڑا میں
یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگے
بھوکا تھا کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اڑایا

ایک پھارا اور گھمری

(ماخذ از میرسن)

کوئی پھارا یہ کہتا تھا اک گھمری سے
پھول کے لیے تجھے ہو شرم، تو پانی میں جا کے ڈوب گر

یہ عقل اور یہ بھجو، یہ شعور! کیا کہتا!
 جو بے شور ہوں یوں یا تمیس زدن بیٹھیں!
 زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے
 زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے
 یہ کچی باتیں ہیں دل سے انہیں نکال ذرا!
 نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح پھوٹا
 کوئی بڑا، کوئی پھوٹا، یہ اس کی محنت ہے
 مجھے درخت پر چڑھنا سمجھا دیا اُس نے
 نمری بڑائی ہے اخوبی ہے اور کیا بھجیں
 جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
 نہیں ہے چیز نہ کی کوئی زمانے میں
 کوئی بڑا نہیں قدرت کے کار خانے میں

ذرا سی چیز ہے، اس پر عز و را کیب کہتا!
 خدا کی شان ہے تا چیز چیز بن بیٹھیں!
 تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے
 جوبات مجھیں ہے مجھ کو وہ نصیب کہاں
 کہا یہ سن کے گھری نے، منہ سنبھال ذرا
 جوہیں نہیں ٹبری تیری طرح تو کیا پرودا!
 ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
 بڑا جہاں میں بحکم کو بنا دیا اُس نے
 قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا بچیں

ایک گلتے اور بکری

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک چڑا گاہ ہری بھری مٹی کہیں	مٹی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اس سہار کا ہو بیان	ہر طرف صاف ندیاں بیٹھیں والیں
مٹھے اناروں کے بے شمار درخت	اور پیپل کے سایہ دار درخت
ٹاٹروں کی صد ایسیں آتی بھیں	مٹھنڈی مٹھنڈی ہو ایسیں آتی بھیں

چرتے چرتے کہیں سے آنکلی
 پاس اک گائے کو کھڑے پایا
 پھر سلیٹے سے یوں کلام کیا
 گائے بولی ک خیس اچھے ہیں
 پئے معیبیت میں زندگی اپنی
 اپنی قسمت بُری ہے، کیا کیسے!
 رو رہی ہوں بُرول کی جان کوئی
 پیش آیا لکھا نصیبوں کا
 اس سے پالا پڑے، خدا نکرے
 ہوں جو دُبیٰ، تو زیج کھاتا ہے
 کن فربوں سے رام کرتا ہے!
 دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
 میرے اللہ اتری دھانی ہے!
 بولی، ایسا گلہ نہیں اچھا
 میں کھوں گی مگر خندال لگتی
 یہ ہری گھاس اور یہ سایا
 یہ کھاں، بے زیاب غریب کھاں!
 لطف سارے اسی کے تم مے ہیں
 فیض ہم کو بھلی، کہ آزادی
 داں کی گز ران سے بچائے خدا!
 ہم کو زیبا نہیں گھے اس کا

کسی ندی کے پاس اک بھری
 جب بھر کر ادھر ادھر بیج
 پہنچا کر اے سلام کیا
 کیوں بُری بی امزاج کیسے میں!
 کٹ رہی ہے بُری بھلی پسی
 جان پر آبنی ہے، کیا کیسے!
 دیکھتی ہوں حند اک شان کوئیں
 زور چلتا نہیں غریبوں کا
 آدمی سے کوئی محبدان کرے
 دودھ کم دوں تو بُر بُر اتا ہے
 ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے!
 اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
 بد لے نیکی کے یہ جماں ہے
 سُن کے بھری یہ ماحبر اسادا
 بات پچی ہے بے مزا لگتی
 یہ چراگ، یہ مھنڈی مھنڈی ہوا
 ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کیاں!
 یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
 اسی کے دم سے ہے اپنی آبادی
 سوط رخ کا بنوں میں ہے کھنکا
 ہم پر احسان ہے بڑا اس کا

فتدر آرام کی اگر سمجھو آدمی کا کبھی جھکے نہ کرو
 چاتے سن کر یہ بات تشریفی آدمی کے لمحے سے پچھائی
 دل میں پر کھا بھلا بُرا اُس نے اور کچھ سوچ کر کہا اس نے
 یوں تو چھوٹی بیڑت بحری کی
 دل کو لگتی ہے بات بحری کی

پچھے کی دعا

(ما خوذ)

پچھوں کے لیے

اب پآتی ہے دعا بن کے تمنا میری زندگی شمع کی صورت ہو حسد ایا میری
 دور دنیا کام رے دم سے اندھیرا ہو جائے ہر جگہ میرے چکنے سے اجلاہ ہو جائے
 ہومرے دم سے یونہی میرے طعن کی نیزت
 جس طرح پچھوں سے ہوتی ہے چون کنیزت
 زندگی ہومری پرانے کی صورت یارب علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب
 ہومرا کام عنبر بیوں کی حمایت کرنا در دمendoں سے ضعیفون سے محبت کرنا
 مرے اللہ! بُرا فی سے جب انا مجھ کو
 نیک جو را ہو اس رہ پر چلانا مجھ کو

ہمد دی

(ما خوذ ازو یم کو پر)

نپتوں کے لیے

ٹھنی پ کسی خبر کی تھی ادا س بیٹھ کھتا تھا کہ رات سر پ آئی اُڑنے پڑنے میں دن گزارا پنچوں کس طرح آشیاں تک ہر چیز پھپ گیا اندر سیرا سُن کر ببل کی آہ وزاری حبکنو کوئی پاس ہی سے بولا حاضر ہوں مدد کو جان ودل سے کیستہ ہوں اگرچہ میں ذرا سا کیا غم ہے جورات بے اندری میں راہ میں روشنی کروں گا اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل چمکا کے مجھے دیا بنایا میں لوگ وہی جہاں میں اچھے آتے میں جو کام دوسروں کے

ماں کا خواب

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

بڑھا اور جس سے مرا ضطراب
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
قدم کا تھادہ ہشت سے اُخْنامِ حال
تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی
دینے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
خداجانے جانا تھا ان کو کہاں
مجھے اس جماعت میں آیا نظر
دیا اس کے ہاتھوں میں جلتا تھا
مجھے چھوڑ کر آگئے تم کہاں؟
پردتی ہوں ہر روز اٹکوں کے ہمار
گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی
دیا اس نے منہ پھیر کر یوں جوں
نہیں اس میں کچھ بھی بھلاں مرتی
رلاتی ہے بچہ کو حبدانی مری
یہ کہ کرو وہ کچھ دیر تک چُپ ہا
سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے
ترے آنسوؤں نے بھیجا اسے



پرندے کی فریاد

پھول کے لیے

آتا ہے یادِ محب کو گزرا ہوا زمانہ دہ باع کی بساریں دہ سکا چھانا
 آزادیاں کھاں دہ اب اپنے گھونسے کی اپنی خوشی سے آنا، اپنی سے جانا
 لگتی ہے چوتھا دل پڑا آتا ہے یادِ جس دم شبین کے آنسوؤں پر کلیوں ہا سکرنا
 دہ پیاری پیاری صورت، دہ کامنی ہی تور آباد جس کے دم سے تھا میراً استیان
 آتی نہیں صدائیں اس کی مرے قفس میں
 بروتی مری رہائی اسے کاش میرے بس میں

کیا بدھیسب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں ساختی تو یہی وطن میں میں قیدیں پڑا ہوں
 آئی بہارِ گیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں میں اس انہیں سے گھر میں قسمت کو دہاہوں
 اس قیاد کا الی دکھدا کسے سناؤں
 ڈر بے نیں قفس میں نیں غم سے مر جاؤں

جب سے چمن چٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے دل غم کو کھارا ہا ہے غم دل کو کھارا ہا ہے
 گناہ سے بکھر کر خوش ہوں نہ سننے والے ڈکھے ہوئے دلوں کی فریادِ صدی ہے
 آزادِ محب کو کردے اُو قید کرنے والے
 میں بے زبان ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

خفتگان خاک سے استفسار

شانہ بستی پر ہے بھرا ہوا گیوئے شام
 محفل قدرت صور خورشید کے قائم میں ہے
 ساحرِ شب کی نظر ہے دیدہ بیدار پر
 ہاں، مگر اک دوسرے آتی ہے اور درا
 کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامہ عالم سے دور
 منظرِ حریانِ نصیبی کا تماشت اتی ہوں ہیں
 ہم شیخ خفتگانِ لکج تہائی ہوں میں

اور اس بستی پر چار آنسو گزے دے مجھے
 کچھ کہو اس دلیں کی آخر جہاں بنتے ہو قم
 اور پیکارِ غنا صراحتاً ہے کوئی؟
 اس لالیت میں بھی ہے ناس کا دل مجھوڑ کیا؟
 اس جہن میں بھی محلِ دبلیل کا ہے افانہ کیا؟
 شعر کی گرمی سے کیا اس بھی پھلان جاتا ہے دل
 اُس گھاستاں میں بھی کیا ایسے نیکلے خاریں؟
 روح کیا اس دلیں میں اس فکر سے آرہے
 قافرے والے بھی ہیں؟ انہیں پڑن بھی ہے؟
 خشت و محل کی فکر ہوتی ہے مکان کے درستے
 ایسا زلت و آئیں کے دلوں نے ہیں کیا؟
 واس بھی کیا فریادِ دبلیل پر چین روتا نہیں؟
 اس جہاں کی طرح واس بھی درودِ انقا نہیں

باغ پھے فردوس یا اک منزل آرام ہے؛
 کیا جنم معصیت سوزی کی اک ترکیب ہے؟
 کیا چون رفات کے اس دل میں پرواز ہے؟
 اضطراب دل کا سماں یاں کی ہست دلوہے
 دید سے تکین پاتا ہے دل چجور بھی؟
 جستوں ہے ماں بھی روح کو آرام کیا؟
 آہ ادہ کشور بھی تاریخ سے کیا معور ہے؟
 یاجت کی تجلی سے سراپا نوہے؟
 تم بتا دو راز جو اس گنبد گردان میں ہے
 ہوت اک چھتا ہوا کا تادل انسان میں ہے

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع! پیار گول؟
 سیماں دار کھتی ہے تیری ادا اسے
 کرتا ہے یہ طواف تری جبلہ گاہ کا
 آزار ہوت میں اسے آرام جاں ہے کیا؟
 غم خانہ جہاں میں جو تیری صینا نہ ہو
 گزنا قرے حضور میں اس کی نماز ہے
 کچھ اس میں جوش عاشق حُسن قدم ہے
 پروانہ اور ذوق تماشا تے روشنی!
 کیڑا ذرا سا اور تماشا تے روشنی!

عقل و دل

بھوے بھکے کی رہنا ہوں میں
 دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
 مشلِ خضر جدت پا ہوں میں
 مظہر شان کبڑا ہوں میں
 غیرت لعل بے بہا ہوں میں
 پر مجھے بھی تو دیکھ دیکھا ہوں میں
 اور آنکھوں سے دیکھا ہوں میں
 اور باطن سے آشنا ہوں میں
 توحش اجوہ، خدا نہا ہوں میں
 اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
 حسن کی بزم کا دیا ہوں میں
 طاں سدرہ آشنا ہوں میں
 کس بلندی پہ ہے مقام مرا
 عرش ربِ حبیل کا ہوں میں

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا
 ہوں زمیں پر، گزر فنک پر مرا
 کام دنیہ ز بریا ہے مرا
 ہوں مفتت کتا بی ہست کی
 بونداک خون کی ہے تو یہ کن
 دل نے سُن کر کہا یہ سب بچ ہے
 رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے
 بے بھجے واسطہ مظاہر سے
 علم بچھے، تو معرفت بچھے
 علم کسی انتہا ہے بے تابی
 شمع تو محفلِ صداقت کی
 تو زمانِ ولکاں سے رشتہ بپا

صد اتے درد

ہاں ڈبودے اے محیط آب لکھا تو بچے
 جل رہا ہوں کل نہیں پر تی کسی پہلو بچے
 وصل کیسا یاں تو اک قرب فراق انجز ہے
 سر زمیں اپنی قیامت کی نفاق انجز ہے

بدرے یک رنگ کے یہ ناؤشنائی ہے غصب ایک، ہی خرمن کے دنوں میں جدائی ہے بجس کے پھولوں میں اختوت کی ہوا آتی نہیں اس چمن میں کوئی لطف نغمہ پر آتی نہیں لذتِ قربِ حقیقی پرست اجاتا ہوں میں اختلاطِ موج و ساحل سے گھبرا ہوں میں دانِ خرمن نما بے شاعرِ معجزہ بیان ہونہ خرمن تو اس دانے کی ہستی پھر کہاں حسن ہو کی خود نہما، جب کوئی مائل ہی نہ ہو شمع کو جلنے سے کی مطلب جو محفل ہی شہر ذوقِ گویا تیخوشی سے بدلتا کیوں نہیں میرے آئینے سے یہ جو ہر نکلتا کیوں نہیں کب زبان کھولی ہماری لذتِ گفتار نے پھونک ڈالا جب چمن کو آتش پکار نے

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

ایسے آفتابِ اروح دروانِ جہاں ہے تو شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تو باعث ہے تو وجودِ عدم کی نمود کا ہے سبز تیرے دم سے چمن ہستِ بود کا قائمِ یعنصرِ دل کا تماش بھی سے ہے ہر شے میں زندگی کا تھاضا بھی سے ہے ہر شے کو تیری حبلوہ گری سے شاستھی دل ہے، خرد ہے، روحِ دل ہے اشویں ہے دل ہے، آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے دل ہے، آفتابِ اہم کو خیانتے شخوردے لے آفتابِ اہم کو خیانتے شخوردے ہے محفلِ وجود کا سامان طراز تو تیرا کسالِ ہستی ہرجاندار میں ہر چیز کی جیات کا پروردگار تو زائید کانِ نور کا ہے تاجدار تو

نے ابتدہ کوئی ، نہ کوئی انتہا تری
آزاد ہتھیں اُول و آخر ضیس اتری

شمع

بزم جہاں میں میں بھی ہوں اے شمع ! در دمنہ فریاد در گرد صفتِ دانہ سپند
دی عشق نے حرارتِ سوزِ دروں تجھے اور مگل فروشِ اشک شفقتِ گوں کیا مجھے
ہوشیع بزمِ عیش کہ شمعِ مزار تو
ہر حالِ اشکِ عالم سے رہی ہمکنار تو

یک بیس تری نظر صفتِ عاشقان راز میری نگاہ ما یہ آشوبِ استیاز
کچھے میں بندکے میں ہے کیاں تری پیا میں استیاز دیر و حرم میں پھنسا ہوا
ہے شان آہ کی ترے دو دسپاہ میں
پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں

جلتی ہے تو کہ برقِ بحسلی سے دور ہے بیدر دیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے
تو جل رہی ہے اور تجھے کچھے خبر نہیں بینا ہے اور سوزِ دروں پر نظر نہیں
میں جوشِ اضطراب سے سیما بدار بھی آگاہِ اضطرابِ دل بے قرار بھی
تحایہ بھی کوئی ناز کسی بے نیں از کا
احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

یہ آگئی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار خوابیدہ اس مشری میں ہیں آتش کے ہزار
یہ استیازِ رفت و پتی اسی سے ہے ! مگل میں ہمک مشراب میں مستی اسی سے ہے ا
بستانِ ولبل و مگل و بلو ہے یہ آگئی
اصلِ کشاکش من و تو ہے یہ آگئی

صبح ازل جو حسن ہوا دلستان عشق
 یہ حکم تھا کہ گلشنِ گن کی بہار دیکھ
 مجھ سے خبر نہ پوچھ جا سب وجود کی
 وہ دن گئے کہ قید سے میں آشناز تھا
 قیدی ہوں اور قفس کو چون جاتا ہوں میں
 یادِ وطن فردگی بے سدب بی
شوقي نظرِ کجھي، کبھي ذوقِ طلب بني

اسے شمع! انتہا تے فریبِ خالِ دیکھ
 مضمون فراق کا ہوں تریاثاں ہوں میں
 آہنگ طبعِ ناظم کون و مکان ہوں میں
 باندھا مجھے جو اس نے تو جا ہی مری خود
 تحریر کر دیا سرِ دلو ان ہست و بود
 گوہر کو مشت خاک میں رہنا پسند ہے
 بندش اگر چہ سوت ہے مضمون بند ہے
 چشم غلطِ خڑگ کا یہ سارا قصور ہے
 آہنگ طبعِ ناظم کون و مکان کامنہ ہے
 عالمِ خلودِ حبلوہ ذوقِ شعور ہے
 یہ سدل زمان و مکان کامنہ ہے
 طوقِ گلوتے حُنْ تماشا پسند ہے
 منزل کا اشتیاق ہے کم کر دہ راہ ہوں
 اے شمع! میں اسیرِ فریبِ نگاہ ہوں
 اسی دام ستم بھی آپ!
 ہم حرم بھی، طائیر بام حسم بھی آپ!
 میں حسن ہوں کہ عشقِ مرا پا گدا ز ہوں
 ہاں آشنا تے لب ہونہ رازِ کہن کیں
 پھر چھڑنے جائے فقہہ دار درس کیں

ایک آرزو

دنیا کی محفلوں سے ملتا گیا ہوں یارب!
 کی لطفِ الجن کا جب دل ہی بھجو گیا ہو

ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فندا ہوا
 دامن میں کوہ کے اک پچھو ماسا جھونپڑا ہو
 دینا کے عزم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو
 چشمے کی شور شتوں میں با جا سانج رہا ہو
 سا عزڈار اساقویا محبکو جہاں نما ہو
 شتر ماتے جس سے جلوت خلوت میں ادا ہو
 نخجھے سے دل میں اس کے کھٹکان کچھ مرداب
 نندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
 پانی بھی موج بن کر اُخٹھ کے دیکھتا ہو
 پھر پھر کے بھاڑیوں میں پانی چکتا ہو
 جیسے حسین کوئی آئیستہ دیکھتا ہو
 سرخی یا سفیری ہر پھول کی قبہ ہو
 اُمید ان کی میسر اٹوٹا ہوا دیا ہو
 جب آسمان پر ہر سو بادل گھرا ہوا ہو
 میں اس کا ہمنوا ہوں ، وہ میری ہمنوا ہو
 روزن ہی جھوپڑی کا محبکو سحر نما پر
 روتا مرادوضو ہو ، نالہ مری دعا ہو
 اس خاشی میں جائیں اتنے بلند نالے

ہر دم سندل کو روتا مرار لادے
 بیموش جو پڑے میں شاید انہیں جکادے

شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
 مرتا ہوں خاشی پر ، یہ آرزو ہے میری
 آزاد فنکر سے ہوں عزالت میں ان گزارش
 لذت سروہ دکی ہو پھر یوں کے پچھوں میں
 گل کی گلی چلا کر پیغام دے کسی کا
 ہو ہاتھ سرپنا سبزہ کا ہو بچھونا
 ماں اس اس قدہ ہو صورت سے میری بیبل
 صفت باندھے دلوں چلب بوئے ہر سے ہوں
 ہو دل فریب ایسا کھسار کا نظر ارہ
 آخونش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
 پانی کو پھورہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
 چھندی لگائے سوچ جب شام کی دن کو
 راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھکتے جس دم
 بجلی چک کے ان کو کٹیں مری دلخادرے
 پچھلے پھر ک کوئل ، وہ صبح کی موئدن
 کا نوں پہنہ میرے دریو حرم کا احسان
 پھولوں کو آتے جس دم شبتم وضو کرنے
 اس خاشی میں جائیں اتنے بلند نالے

آفتابِ صحیح

شرش میخانہ انسان سے بالاتر ہے تو زینت بزم فک ہو جس سے وہ غریب ہے تو
ہود رکش عروس صبح وہ گورہ ہے تو جس پیمانے افق نازل ہو وہ زلیبہ ہے تو
صفحہ ایام سے داعِ ندادِ شبِ مٹا!

آسمان سے نقشِ باطن کی طرح کوکبِ مٹا!
حسن تیرا جب ہوا بام قلاں کے بلوہ گھر آنکھ سے اڑتا ہے یکدم خواب کی کھاثر
نور سے عمور ہو جاتا ہے دامانِ نظر کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو فرمیا تیری محو
ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہیے
چشمِ باطن جس سے کھل جائے وہ جلوا چاہیے

سوقِ آزادی کے دنیا میں نہ نکلے جو صدے زندگی بھرتی زنجیر تعلق میں رہے
زیر و بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے آرزو ہے پچھا اسی چشمِ تماش کل بھے
آنکھ میسری اور کے غم میں سر شک اباد ہو!
ہستیا زندگی آئیں مے دل آزاد ہو!

بستہ رنگِ خصوصیت ہو میری زبان نوع انسان قوم ہو میری، وطن میر جہاں
دیدہ باطن پر رازِ نظمِ قدرت ہو عیاں ہوش اس سے فلکِ شمعِ تخیل کا دھواں
حقیقتِ اضداد کی کاوش شہزاد پائے مجھے!

سن عشقِ انجیز ہر شے میں نظر کئے مجھے
صد مر آجائے ہوا سے گل کی پتی کو اگر اشک بن کر میری آنکھوں کیلک جائے اثر
دل میں ہو سوزِ محبت کا وہ پھوٹنا سا شتر نور سے جس کے ملے رازِ حقیقت کی خبر

شاہدِ قدرت کا آئینہ ہو دل میرانہ ہوا
 سرمن جن بحدودی انساں کوئی سودا نہ ہوا
 تو اگر زحمت کش ہنگامہ عالم نہیں یقینیت کا نشاں اسے نیڑا عظم نہیں
 اپنے حسن علیم آراء سے جو تو محروم نہیں ہمسریک ذرا غاک دادم نہیں!
 نورِ مجوہِ ملک گرم تماش، ہی رہا
 اور تو متنبہ پذیرِ صبحِ فتنہ داہی رہا
 آرزو نو جیقت کی ہمارے دل میں ہے نیلیِ ذوقِ طلب کا گھر اسی محل میں ہے
 کس قدر لذت کشویفت متشکل میں ہے لطفِ حوصل ہماری سعی بے حائل میں ہے
 دردِ استغمام سے واقف ترا پھلو نہیں
 جستجو کے رازِ قدرت کا نشاں اس تو نہیں

دردِ عشق

اے دردِ عشق! ہے گہر آب دار تو
 نامحروں میں دیکھ نہ ہوا شکار توا
 پہنماں تہ نقاپ تری حبادہ گاہ ہے
 ظاہر پرستِ محلِ نو کی نگاہ ہے
 آئی نئی ہوا چینِ مست و بود میں
 اے دردِ عشق! اب نہیں لذتِ غویں
 ہاں! خود نمایوں کی تجھے جستجو نہ ہوا
 خالی شرابِ عشق سے لالے کا جام ہو
 پہنماں درونِ سینہ کمیں راز ہو ترا
 اشکِ حبگر گہاڑ نہ غماز ہو ترا
 گویا زبانِ شاعرِ نیگیں بیاں نہ ہو
 آواز نے میں شکوہ فرقہ نہیں نہ ہو
 یہ دو نکتہ چیز ہے کہیں چپ کے بیٹھڑہ
 جس دل میں تو مکیں ہے وہیں چپ کے بیٹھڑہ

غفل ہے بچھے سے حیرت علم افریدہ دیکھا جو یا نہیں تری نجنا نارسیدہ دیکھ
ربنے دے جستجو میں خیال بلند کو حیرت میں چھوڑ دیدہ حکمت پسند کو
جب کی بہار تو ہو یہ ایس چن نہیں قابل تری نخود کے یہ اجنب نہیں
بجن ہے گرشته نخارہ محباز مقصد تری نگاہ کا خلوت مرائے راز
ہر دل نے خیال کی مستی سے چوپ ہے
کچھ اور آج کل کے کلیموں کا ظور ہے

گل پر مردہ

کس زیاد سے اے گل پر مردہ بچھ کو گل کوں کس طرح بچھ کو متنا کے دل ببل کوں
نمیں بھجی موں صبا گوارہ جن بیان ترا نام نخا محن مکستان میں گل خندل ترا
تیرے احسان کا نیم صبح کو اقرار تھا
باع تیرے دم سے گویا طببد عطا تھا
بچھ پر ساتا ہے شہنم دیدن گریاں مرا ہے نہاں تبری اُد اسی میں لہ ریاں مرا
میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تعمیر تو خواب میری زندگی بختی جس کی ہے تعمیر تو
بچھوئے از نیستان خود حکایت می کنم
بشنواے گل! از جدایہ ما شکایت می کنم

سید کی لوح تربیت

اے کہ تیرا مرغِ جان تاریخ میں ہے ایسر اے کہ تیری روح کا طائر قس میں ہے ایسر
اس چن کے نغمہ پیراؤں کی آزادی تو دیکھ مشر جو اجزٹا ہوا تھا اس کی آبادی تو دیکھ

نکر، ہنی بھتی مجھے جس کی وہ محفل ہے یہی صبر و استقلال کی کھینچی کا حاصل ہے یہی
سنگ تربت ہے مرا گرویدہ لقدر دیکھ
چشم باطن سے ذرا اس لوح کی خوبی دیکھ

معاشر اگر دنیا میں بے تعصیم دیں ترک دنیا قوم کو اپنی دشکھلانا کیلیں
واذ کر نافرقة بندی کے لیے اپنی زبان چھپ کے ہے میٹھا ہوا ہنگامہ محشر بیان
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری خیری سے دیکھ! کوئی دل نہ دکھنے جائے تری خیری سے
محفلِ نویں پر اپنی داستانوں کو نہ چھپر
رنگ پر جواب نہ آئیں ان فضائوں کو نہ چھپر

تو اگر مدتر ہے تو شُنْ میری صدا ہے دلیری دستدار باب میامت کا عصا
عرضِ مطلب سے جھگ جانا نہیں زیباجھے نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروانجھے
بندہ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے وقتِ فرماں روکے سامنے بے باک ہے
ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامہ مجز رقہ شیشہ دل ہو اگر تیرا مثالِ جامِ جم
پاک رکھ اپنی زبان، تلمیز نہ جمانی ہے تو ہونے جائے دیکھنا تیری صدابے ابر وَا
سو نے والوں کو جہاد سے شعر کے اعجائے
خرمن باطل جلا دے شعلہ آوازے

ماہِ نو

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوتی غرقاً بیل ایک ٹھکڑا تیرا پھرتا ہے روانے آبِ نیل
ٹوٹت گردوں میں پیکتا ہے شفقت کا خون نا۔ نشر قدرت نے کیا کھولی ہے فصلِ افتاد
چرخ نے بالی چوالی ہے عروسِ شام کی؟
نیل کے پانی میں یا محفلی ہے سیمِ خام کی؟

گوش انسان سُن نہیں سکتا تری آواز پا
فاغلہ تیرا رواں بے منت بانگ درا
گھنٹہ بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو
ہے قلن تیرا کدھر کس دل میں کو جاتا ہے تو
ساتھ لے سیارہ ثابت نہ لے چل بھجے خار حسرت کی خلش رکھتی ہے اب بیل بیل
نور کا طالب ہوں گھبرا ہوں اس سبھی میں میں
طفلاں بیکاب پا ہوں مکتب سبھی میں میں

الْسَّانُ وَرِبْرِمُ قُدرَتٌ

بزمِ محمودہ هستی سے یہ پوچھا میں نے
صیح خور شیدر خشائ کو جو دیکھا میں نے
پر تو مهر کے دم سے ہے اجالا تیرا
مہر نے نور کا زیور تجھے پہنیا یا ہے
چل و گھلزار ترے خلد کی تصویریں ہیں
سرخ پوشاک ہے بچوں کی درخون کی ہری
ہے ترے خینہ گردوں کی طلاقی جھالر
کیا بھل لگتی ہے آنکھوں کو شفتی کی لالی
رہتہ تیرا ہے بڑا، شان بڑی ہے تیری
صیح اک گیت سراپا ہے تری سلطنت کا
زیر خور شیدر شان تک بھی نہیں ظلمت کا
میں بھی آباد ہوں اس نور کی سبھی میں میر
نور سے دور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں
کیوں سیرہ فرز، سینہ بخت یہ کار ہوں میں
میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہ میں سے آئی
بام گردوں سے دیا صحن زمین سے آئی

بے ترے نور سے وابستہ مری بود و بنود
 اگن حسن کی ہے تو تری تصور یہ ہوں میں
 عشق کا تو ہے صحریفہ، تری تفسیر ہوں میں
 بار جو مجھ سے نہ اٹھا، وہ اٹھایا تو نے
 اور بے منت خوشیدہ چمک ہے تیری
 منزل عیش کی جا، نام ہوزندان میرا
 حلقوہ دام تھتا میں اُ بھٹے والے!
 آہ! اے رازِ عیان کے نہ سمجھنے والے!
 باز غلت اک تری آنکھ پے پابندِ محاذ
 ناز زیبا تھا سچے، تو ہے مسخرِ گرم نیاز
 تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے
 نہ سیہ روز رہے پھر، نہ سیہ کار رہے

پیامِ صبح

(ماخوذ از لانگ فلیو)

نیک زندگی پیغامِ لائی صبحِ خشدان کا
 اجالا جب ہوا حضرت جبین شب کی انشا کا
 کارے کیست کے شانہ ہلایا اس نہ بخفا کا
 اندر ہیرے میں اڑایاتاچ زرشمعِ شبستان کا
 طسمِ ظلمت شب سورہ والقور سے توڑا
 پڑھا خوابیدگان دیر پر افسون بسیداری
 ہوتی ہاں حرم پر آکے چوں گویا موذن سے
 پکاری اس طرح دیوارِ چکشن پر کھڑے ہو کر
 دیا یہ سکمِ صحراءں چلو اے قافلے والو!
 سوئے گوہِ عزیباں جب کئی زندوں کی سنتی سے
 کھکے کو ہے جگنوں کے ہر فرد بیباں کا
 تو یوں بولی نظارا دیکھ کر شہرِ خوشستان کا

ابھی آرام سے لیئے رہو میں پھر بھی اُونگی
سُلادوں کی جہاں کو خوابے تم کو جھاؤں گی

عشق اور موت

(ما خود اڑلینی سن)

سماں منوجہاں کی گھڑی بھی بتسم فشاں زندگی کی کلی بھی^۱
 کہیں مر کو تاج نرمل رہا تھا عطا چاند کو چپاندی ہو رہی بھی^۲
 سید پیر ہن شام کو دے رہے تھے ستاروں کو تعلیم تابندگی بھی^۳
 کہیں شاخ ہستی کو لگتے تھے پتے کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی بھی^۴
 فرشتے سکھاتے تھے شبکم کو رومنا ہنسی گل کو پسے پہل اڑہی بھی^۵
 عطا درد ہوتا تھا شاعر کے دل کو خودی تشدی کام نئے بخوبی بھی^۶
 اُنھی اُول اُول گھنٹ کالی کالی کوئی حور چوٹی کو گھوٹے گھڑی بھی^۷
 زمیں کو تھا دعوی کہ میں آسمان ہوں
 مکاں کہہ رہا تھا کہ میں لا مکاں ہوں

غرض اس قدر یہ نظارا تھا پیارا
 کہ نظارگی ہو سراپا نظارا
 ملک آزماتے تھے پرواز اپنی
 جبیسوں سے نوب ازل آشکارا
 فرشتہ تھا ان عشق تھانم جس کا
 کہ بھی رہبری اس کی سب کا سہارا
 ملک کا ملک اور پاسے کا پارا
 فرشتہ کہ پیلا تھا بیتا بیوس کا
 پے پیر فردوس کو جارہا تھا
 یہ پوچھا ”ترانام کیا ہے؟ کام کیا ہے؟“

ہوا سن کے گویا قضا کافر شستہ
 اڑاتی ہوں میں رختِ سستی کے پڑیں
 بجھاتی ہوں میں زندگی کا اشرا را
 پیام فنا ہے اسی کا اشترا
 وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پارا
 ذہ ہے نورِ مطلق کی آنکھوں کا تارا
 وہ آنکھ ہوجن کی تلخی گوارا
 ہنسی اس کے لب پر ہوئی آشکارا
 گری اس بتسم کی بجلی اجل پر اندر ہیرے کا ہو نور میں کیا گزارا
 لقا کو جو دیکھافت ہو گئی وہ
 قضا بھی، شکارِ قضا ہو گئی وہ

زہد اور رندی

تیری نہیں منظورِ طبیعت کی دکھانی
 اک مولوی صاحب کی ستاتا ہوں کہاں
 کرتے تھے ادب ان کا اعلیٰ وادانی
 شہرہ تھا بہت آپ کی صوفیِ منشی کا
 جس طرح کہ الفاظ میں مضمون ہوں معانی
 کہتے تھے کہ پہنماں ہے تھوڑتھوڑی میں شریعت
 بزریتے زہد سے بھتی دل کی صراحی
 کرتے تھے بیاں آپ کرامات کا اپنی
 مدت سے رہا کرتے تھے ہماسے میں سیرے
 حضرت مرے ایک شناس سے یہ پوچھا
 پابندی احکامِ شریعت میں ہے کیا؟
 سنتا ہوں کہ کافر نہیں ہستہ کو سمجھتا

تفضیل علی ہم نے سُنی اس کی زبانی
مقصود ہے نہ بہب کی مگر خاک اڑانی
عادت یہ ہمارے شرعاً کی ہے پرانی
اس رمز کے اب تک نکھلے ہم پر معافی
بے داع ہے مانندِ حرام کی جوانی
دل دفترِ حکمت ہے، عبیتِ خفتانی
پوچھو جو تصفیت کی، تو منصور کاشانی
ہو گا یہ کسی اور اسلام کا بانی
تمادیر رہی آپ کی یہ نعمتِ بیانی
میں نے بھی سُنی اپنے اجتاکی زبانی
پھر پھر گئی باتوں میں دہی بات پر ان
تحفظِ صریح مرادِ اہل شریعت کی دکھانی
یہ آپ کا حق تھا زرہ قربِ لکانی
پیری ہے تو اپنے کے سبب میری جوانی
پیدا نہیں پکھا اس سے قصورِ ہمدانی
گمراہ ہے مرے بھر خیالات کا پانی
کی اس کی حمدانی میں بہت اشکشانی

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
پکھا اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا
سمجھا ہے کہ ہے راگِ عبادات میں افضل
پکھ عاراً سے حسنِ فروشوں سے نہیں ہے
گمانا جو ہے شب کو تو محکم ہے تلاوت
لیکن یہ سننا پنے مریدوں سے ہے میں نے
مجموعہِ اضداد ہے اقبال نہیں ہے
رندي سے بھی آگاہ، شریعت سے بھی واقف
اس شخص کی ہم پر تحقیقتِ نہیں کھلتی
القصد بہت طول دیا وعظِ کو اپنے
اس شہر میں جو بات ہو، اذ جاتی ہے ربیث
اک دن جو سر راہ ملے حضرتِ زاہد
فرمایا، شکایتِ دہ محبت کے سبب بھی
میں نے یہ کہا کوئی لگو مجکو نہیں ہے
خُم بے سر تسلیمِ مرا آپ کے آگے
گر آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کاشناسا
مجھ کو بھی تھا ہے کہ اقبال کو دیکھوں

شاعر

قوم گویا جم ہے، افراد میں اعضاے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما میں سُت پائے قوم

محفلِ نظم حکومت، چہرہ زیبائے قوم
شاعرِ ننگیں نوا ہے دیدہ بنتا کے قوم
مبتلا کے درد کوئی تھضنو ہو، روتنی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سائے حبم کی ہوتی ہے آنکھ

دل

الجاء کے ادیفے سرخی افانہ دل
جادۂ ملک بھائے خط چیانا کول
جل گئی مزرع ہستی تو اگادا نہ دل
تو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانہ دل
کس کی منزل ہے الہی! مرکاشانہ دل
دل کسی اور کا دیواں، میں دیوانہ دل
رشک صد سجدہ ہے اک لغزش مستانہ دل
خاک کے ذہیر کو اک سیر بنا دیتی ہے
حشت کے دام میں بھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نسل ہرا ہوتا ہے

قصہ دار ورسن بازی طفلا نہ دل
یارب! اس ساعزِ بریز کی نے کیا ہوگی!
ابر حمت تھا کہ لہتی عشق کی بجلی یارب!
حسن کا گنج گرانہای مجھے مل جاتا
غمش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا پر
اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
تو سمجھتا نہیں اے زاہنہ داں! اس کو

موج دریا

مغضوب رکھا ہے میرا دل بیتاب مجھے میں مہستی ہے ترپ صورتِ سماں مجھے
 موج ہے نامِ مرا، بحر ہے پایاب مجھے ہو نہ زنجیر کبھی حلقة گرداب مجھے
 آب میں مشل ہوا جاتا ہے تو سن میر خارِ ماہی سے نہ انکا کبھی دامنِ میر
 میں اچھتی ہوں کبھی جذبِ مرِ کامل سے جوش میں سرکوئٹتی ہوں کبھی ساہل سے
 ہوں وہ رہروں کے محبت ہے مجھے منزل سے کیوں ترپتی ہوں، یہ پوچھے کونی میر دل سے
 زحمتِ تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں وسعتِ بحر کی فرقت میں پریشان گوں میں
 وسعتِ بحر کی فرقت میں پریشان گوں میں

رخصت اے بزمِ جہاں!

(ما خود از میرسن)

رخصت اے بزمِ جہاں! اسوئے وطن جاتا ہوں میں
 اہ اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں
 بکہ میں افسرده دل ہوں، درخورِ محفل نہیں
 تو مرے قابل نہیں ہے، میں ترے قابل نہیں
 قید ہے دربارِ سلطان و شستان و ذیر
 توڑ کر نکلے گا زنبیسیر طلاقی کا اسیر

گو بڑی لذت تری ہ سنگامِ آرائی میں ہے
 اجنبیت سی مجر تیسری شناسانی میں ہے
 ملتوں تیرے خود آراؤں سے ہم صحیت رہا
 ملتوں بے تاب موچ بھر کی صورت رہا
 ملتوں بیٹھا رہا ترے ہنگامہ عشرت میں میں
 روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں بیں
 ملتوں ڈھونڈا کیا نظر رہا گل حسار میں
 آہ! وہ یو سعف نہ باقتح آیا ترے بازار میں
 چشمِ چیراں ڈھونڈتی اب اور لظاہرے کو ہے
 آرزو ساحل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے
 چھوڑ کر راندہ بُو، تیراچپنِ حب تا ہوں ہیں
 رخصت اے بزمِ جہاں سوئے وطن جانا ہوں ہیں
 گھر بنایا ہے سکوتِ دامنِ کھسار میں
 آہ! یہ لذت کہاں موسیقیِ گفتار میں!
 ہمنشینِ زگسِ شہلا، رفیقِ گل ہوں میں
 ہے چنِ مسیدِ اوطن، ہمسایہِ بیبل ہوں میں
 شام کو آوازِ چشمیں کی سُلانی ہے مجھے
 صبح فرشِ سبز سے کوئی جھاتی ہے مجھے
 بزمِ ہستی میں ہے سب کو محفلِ آرائی پسند
 ہے دلِ شاعر کو سیکن کچ تہنائی پسند

ہے جنوں محکو کہ گھبرا تا ہوں آبادی میں میں
 ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کو کوہ کی وادی میں میں
 شوق کس کا سبزہ زاروں میں پھرتا ہے مجھے
 اور حشموں کے کنارے پر سلاتا ہے مجھے
 طعنہ زن ہے تو کہ شیدا بچ غزلت کا ہوں میں
 دیکھ اے غافل! پیامی بزم قدرت کا ہوں میں
 ہم وطن ششاد کا، قمری کا میں ہمراز ہوں
 اس چمن کی خامشی میں گوشہ برآواز ہوں
 کچھ جو سُنتا ہوں تو اوروں کو سانے کے لیے
 دیکھتا ہوں کچھ تو اوروں کو دکھانے کے لیے
 عاشق عزلت ہے دل نازاں ہوں لپنے گھر پر میں
 خندہ زن ہوں مسندہ دار اوسکندر پر میں
 لینا زیر شب رکھتا ہے جادو کا اثر
 شام کے تائے پر جب پڑتی ہے رہ رہ گر نظر
 علم کے حیرت کہ میں ہے میں ہے کہاں اس کی نہودا
 چمل کی پتی میں نظر آتا ہے رازِ مہت و بودا

طفلِ شیرخوار

میں نے چاقو بچھے چینا ہے تو چلا ہے تو
 صرباں ہوں میں، مجھے نامہرباں سمجھا ہے تو

پھر پڑا روئے گا اے نووار دا **ستیم** غم
چبھو نہ جائے دیکھنا! باریک ہے نوک **ستلم**
آہ! ایکوں دکھ دینے دالی شے سے تجوہ کریا ہے
کھیل اس کاغذ کے فوجوں سے یہ بے آز ہے
گیند ہے تیری کیا؟ چینی کی بلی ہے کدر؟
وہ ذرا سا جانور لوٹا ہوا ہے جس کا سر

تیرا آئیسہ تھا آزاد غبارِ آرزد
آنکھ کھلتے ہی چمک اُٹھا شرارِ آرزد
ہاتھ ک جیش میں ، طرزِ دید میں پوشیدہ ہے
تیری صورت آرزد بھی تیری نوزاید ہے
زندگانی ہے تری آزاد قیہ امسان
تیری آنکھوں پر ہویدا ہے مجرقدرت کا راز
جب کسی شے پر بجز کر مجھ سے ہچلاتا ہے تو
کی مسا شاہے روئی کاغذ سے من جاتا ہے تو
آہ! اس عادت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی ترا
تو تلوں آشتا ، میں بھی تلوں آشتا
عارضی لذت کا شیدائی ہوں اچلاتی ہوں میں
جلد آ جاتا ہے غصہ ، حبلہ من جاتا ہوں میں
میری آنکھوں کو لبھا لیستا ہے صن ظاہری
کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری
تیری صورت گاہ گریاں گاہ خندان میں بھی ہوں
دیکھنے کو نوجوان ہوں ، ٹھنڈا داں میں بھی گوں

قصویر درد

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
 خوشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زبان میری
 یہ دستور زبان بندی ہے کیا تیری محفل میں؟
 یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زبان میری
 اٹھائے کچھ ورق لائے، کچھ زگس نے، پکھ گل نے
 چمن میں ہر طرف بھری ہوئی ہے داستان میری
 اڑالی قمریوں نے، طو طیوں نے، عندلیبوں نے
 چمن والوں نے مل کر لوت لی طرزِ فغاں میری
 پیک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
 سراپا درد ہوں، حسرت بھری ہے داستان میری
 اکھی! پھر مزا کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا؟
 چيات، جادوال مسیری، نمرگ، ناگماں میری
 مرارونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گھاستان کا
 وہ گل ہوں میں، خزان ہر گل کی ہے گیا خزان میری
 ”دریں حسرت سرا عمر بیت افسون جرسِ ارم
 زفیقِ دل پسیدن ہا خروش بے نفسِ ارم“
 ریاض دہریں نا آشنا نے بزمِ عشرت ہوں
 خوشی روئی ہے جس کو، وہ محرومِ مسترت ہوں

مری بہگدی ہوئی تقدیر کو روتنی ہے گویاں
 میں حرف زیر لب شرمندہ گوشِ سماعت ہوں
 پریشاں ہوں میں مشت خاک، لیکن کچھ نہیں کھلتا
 سکندر ہوں کہ آئیسہ ہوں یا کرد کدوڑت ہوں
 یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
 سراپا نور ہو جس کی حقیقت میں وہ خلدت ہوں
 خزینت ہوں، پھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
 کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں، کس کی دولت ہوں
 نظر میسری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
 میں وہ پھوٹی سی دینا ہوں کہ آپ اپنی ولائت ہوں
 نہ صبا ہوں، نہ ساقی ہوں، نہ سستی ہوں نہ پیمانہ
 میں اس میخانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
 مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
 وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
 عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا نہیں بیاناوں میں
 کر بام عرش کے طائر میں میرے ہمزاں نوں میں
 اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سامان کا
 مر آئیسہ دل ہے قضا کے راز دالوں میں
 رلاتا ہے ترانظارہ اسے ہندوستان! مجھ کو
 کہ عبرت غیر ہے تیرافانہ سب فناوں میں

وپارونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ اzel نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان برگ ٹھنڈے بھی نہ چھوڑا اس باع میں مجھیں!
تری قسمت سے رزم آدا یاں میں باع بناؤں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باع کے غافل نہ بیغیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری! یہ الی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طاکر بوستانوں میں
وطن کی منکر کرنا داں! مصیبت آنے والی ہے
تری بر بادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرادِ مجھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عسد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک؟ لذتِ فریاد پیدا کر!
زیں پر تو ہو، اور تیری صد اہوآخانوں میں!
نہ مجھوں کے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والوا
محقاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئیں قدرت ہے، یہی اسلوب فطرت
جو ہے راہِ عمل میں گامزن، محبوب فطرت
جید آج اپنے زخم پہن کر کے چھوڑوں گا
لہور درو کے محفل کو گھاستاں کر کے چھوڑوں گا

جلانا ہے مجھے بہر شمع دل کو سوزن پس اس سے
 تری تاریک راتوں میں چپڑا غال کر کے چھوڑوں گا
 مگر خیتوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
 چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
 پردا نا ایک ہی تیح میں ان بھرے دنوں کو
 جو مشکل ہے، تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
 مجھے اے ہم شیں رہنے والے شغل سیند کا وی میں
 کہ میں داع محبت کو من یاں کر کے چھوڑوں گا
 دکھادوں گا جہاں کو جو مری ائمکوں نے دیکھا ہے
 تجھے بھی صورت آئندہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
 جو بے پردوں میں پنهان چشم بینا دیکھ لیتی ہے
 زمانے کی طبیعت کا تعاضا دیکھ لیتی ہے
 کیا رفتہ کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
 گذا ری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
 رہا دل ابستہ محفل، مگر اپنی نٹا ہوں کو
 کیا بیرونِ محفل سے نہ جیرت آشنا تو نے
 فندہ اکرنا رہا دل کو حسینوں کی اداوں پر
 مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تو نے
 تعصب چھوڑنا داں! دہر کے آئینہ خانے میں
 یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے بُرا تو نے

سراپا نامہ بسید اد سوز زندگی ہو جا
 سپند آسگرہ میں باندر کمی ہے صداق نے
 صفائے دل کو کیا آرائشِ رنگ تعلق سے
 کفِ آئیسہ پر باندھی ہے اوناداں حناقو نے
 زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
 غضب سے سطاقت راں کو چلیا کر دیا تو نے
 زبان سے گر کیا تو حسید کا دعویٰ تو کیا حاصل
 بنایا ہے بُت پسندار کو اپنا حسد اتو نے
 کنوئیں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
 ارے غافل! جو مطلق بخا مقیس کر دیا تو نے
 ہوس بالائے منبر ہے کچھ رنگ بیانی کی
 نصیحت بھی تری صورت ہے اک افساز خولنی کی
 دکھادہ حُسن عالم سوز اپنی چشم پڑنم کو
 بھوت زپاتا ہے پروانے کو، رلوانا ہے شبک کو
 نرانظر ارہ ہی اے بواہوس! مقصد نہیں اس کا
 بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشمِ ادم کو
 اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
 نظر آئی نکچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
 شجر ہے فرق اُرائی، تعصب ہے مژاں کا
 یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلوتا ہے آدم کو

نہ اٹھا جذہ بہ خورشید سے اک برگ گل تک بھی
 یہ رفتہ کی تمنا ہے کہ لے اُرثی چہبندم کو
 پھرا کرتے نہیں مجرموں الفت فن کبر در مار میں
 یہ زخمی آپ کر لیتے میں پیدا اپنے مرسم کو
 محبت کے مشرد سے دل سراپا نور ہوتا ہے
 ذرا سے نجع سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
 دوا ہر دکھ کی بے محروم تیخ اُرز و رہنا
 علاجِ زخم ہے آزاد احسان رفو رہنا
 شراب بیخودی سے تا فلک پرواز ہے میری
 شکست زندگی میکھا ہے میں نے بن کے جو رہنا
 تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوح خوانی میں
 عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم با دھور رہنا
 بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
 چمن میں آہ! کیا رہنا جو ہو بے آبر و رہنا
 جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
 عنلامی ہے اسیرِ امتیاز ما د تو رہنا
 یہ استغنا ہے پانی میں نجوس رکھتا ہے ساغر کو
 تجھے بھی چاہیے مثلِ جاسب آبجو رہنا
 نہ رہا اپنوں سے لے پردا اسی میں خیر ہے تیری
 اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خوا رہنا

شراب روح پرور ہے مجتہت نوع انسان کی
 سکھایا اس نے ملکو مدت بے جام و سبور ہنا
 مجتہت ہی سے پائی ہے شفایہمار قوموں نے
 کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
 بیابانِ مجتہتِ دشستِ عزبت بھی وطن بھی ہے
 یہ ویرانہ نفس بھی، آشنا بھی، چمن بھی ہے
 مجتہت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے، محراج بھی
 جرس بھی، کارروائی بھی، راہبر بھی، رازہن بھی ہے
 مرض کرنے ہیں سب اس کو مایہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا حسیں میں علاج گردش چرخِ امن بھی ہے
 حبلانِ دل کا ہے گویا سرایا نور ہو جانا
 یہ پر وادی جو سوراں ہو تو شیعہ امن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شہریں بھی ہے گویا، بیستوں بھی، کوئی بھی ہے
 اجارا ہے تغیرِ ملت و آئین نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
 سکوت آموز طولِ داستان درد ہے، درد
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے
 ”نمیں گرددید کو تہ رشتہ معنی رہا کردم“
 حکایت بود بے پایاں، سخنِ موئی ادا کردم“

نالہ فراق

(آر نلڈ کی یاد میں)

جانب امغرب میں آخڑے مکاں تیرا مگیں آہ! مشرق کی پسندان نداں کو سر زمیں
 آجیا آج اس صداقت کامرے دل کو لیں ظامتِ شب کے صیارے روزِ فرقہ کم نہیں
 ”تاز آغوش داعش داع خیرت چیدہ است
 بچو شمع کشته در پشم خوا بیدہ است“

کشته عزالت ہوں آبادی میں گھبراہوں میں شهرے سوداکی شدت میں نخل جاتا ہوں میں
 یادِ ایامِ سلف سے دل کو ترپاتا ہوں میں بہر کیں تیری جانب دوڑتا آتا ہوں میں
 آنکھ گو مانوس ہے تیرے درودِ یارے
 اجنبیت ہے مگر پیدا مری ارفدارے

ذرہ میرے دل کا خورشیدِ آشنا ہونے کو تھا آئندہ ٹوٹا ہوا عالم نہ ہونے کو تھا
 نخل میری آرزوؤں کا ہمرا ہونے کو تھا آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہنے کو تھا
 اب پر رحمتِ دامنِ اذکرار من بر چید و رفت
 اندکے برعینچ ہاتے آرزو باری درفت

تو کہاں ہے اے کلیم ذریعہ سیناے علم! بحقی تری موجِ نفس با دنشاط افراطِ علم
 اب کہاں وہ شوقِ رہ پیمانی محمرے علم یترے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سوداۓ علم
 ”شورِ سیلی کو کہ باز آرائشِ سودا کندہ
 خاکِ مجنوں راجنا رخاطرِ صحراء کندہ“

کھول دے چاہست وحشت عقدہ تقدیر کو توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو
دیکھتا ہے دیدہ حبیبان تری تصویر کو کیا سلی ہو ملک گرویدہ تقدیر کو
”تاب گویا نہیں رکھت دہن تصویر کا خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخن تصویر کا“

چاند

میرے دیرانے سے کو سوں دُور ہے تیرا وطن
ہے ملک دریائے دل تیری کشش سے موجزن
قصد کس محل کا ہے؟ آتا ہے کس محل سے تو؟
زرد رُو شاید ہوا رنج رو منزل سے تو؟
آفرینش میں سراپا نور تو نظمت ہوں میں
اس سیہ روزی پیکن تیرا، تم قسمت ہوں میں
آہ! میں جلت ہوں سوزِ استیاق دیدے سے
تو سراپا سوزِ داعِ منت خوشید سے
ایک حلقت پر اگر قائم تری رفتار ہے
میری گردش بھی مثل گردش پر کار ہے
زندگی کی رہ میں سرگردان ہے تو، حیراں ہوں میں
تو فروزان محل سہتی میں ہے سوزاں ہوں میں
میں رو منزل میں ہوں، تو بھی رو منزل میں ہے
تیری محل میں جو خاموشی ہے، میرے دل میں ہے

تو طلب خو ہے، تو میرا بھی یہی دستور ہے
 چاندنی ہے نور تیرا، عشق مسیرا نور ہے
 الجن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں میں
 بزم میں اپنی اگر بیکت ہے تو، تنہا ہوں میں
 مہر کا پرتو ترے حق میں ہے پیغم اجل
 محکم دینتا ہے مجھو جلوہ حسن ازل
 پھر بھی اے ماہ مبیں! میں اور ہوں تو اور ہے
 در جس پہلو سے اٹھتا ہے وہ پہلو اور ہے
 گرچہ میں ظلمت سراپا ہوں، سراپا نور تو
 سینکڑوں منزل ہے ذوقِ آگئی سے دور تو
 جو مری ہستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
 یہ چمک وہ بے، جبیں جس سے تری محروم ہے

پلائش

چمک اٹھا جوتا رہ ترے مقتدر کا جبش سے بچھ کو اٹھا کر حبا ز میں لایا
 ہوتی اسی سے ترے غم کدے کی آبادی تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
 وہ آستان نہ چھٹا بچھے ایکدم کیلے کسی کے شوق میں تو نہیں مزے تم کے لیے
 جنا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
 ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں
 نظر تھی صورت سماں ادا شناس تری شراب دیدے سے بڑھتی بھی اور پیاس تری

اولیں غ طاقت دیدار کو ترستا تھا
 ترے لیے تو یہ سحر اہی طور تھا گویا
 خنک دے کہ پسید و دمے نیسا نید
 گری وہ برق تری جان ناشکیبا پر
 تپش ز شعلہ گرفتند و بر دل تو زدن
 چہ برق حبلوہ بخاشک حاصل تو زدن!
 ادا کے دید سرا پا شیا ز فقی تیری
 ادا از ل سے ترے عشق کا ترا نہ بنی
 کسی کو دیکھتے رہنا نہ ساز ختی تیری
 نماز اس کے نظارے کے آک بہانہ بنی
 خوٹ وہ وقت کہ یثرب منقام تھا اسکا!
 خوٹ وہ دور کہ دیدارِ اس مخا اسکا!

سر گزشتہ آدم

بھلا قصہ پیمان اولیں میں نے
 پیا شور کا جب جام آتشیں میں نے
 دکھایا اوجِ خیال فکن شیں میں نے
 کی قرار نہ زیر فلک کہیں میں نے
 کبھی بتوں کا بنایا حرمِ شیں میں نے
 چھپایا نورِ ازل زیر آستینیں میں نے
 کیا فلک کو سفر، چھوڑ کر زمیں میں نے
 دیا جہاں کو کبھی حبِ ام آخری میں نے
 پسند کی کبھی یوناں کی سر زمیں میں نے
 نے کوئی مری عزیت کی داستان مجھ سے
 لگی نہ میری طبیعت ریاضِ جنت میں
 رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
 مل مزاجِ تغییر پسند کچھ ایسا
 نکالا کبھی سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
 کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور پر پہنچا
 کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
 کبھی میں غارِ حسرا میں پھیپا رہا برسوں
 سنا یا ہند میں آکر سرو د ربانی

بسا یا خطر جاپاں و ملک پھیں میں نے
خلافِ معنی تسلیم اہل دیں میں نے
جاں میں چھپر کے پیکار عقل و بیگنے نے
اسی خیال میں رانیں گزار دیں میں نے
سکھایا سُلہ گردش زمین میں نے
لٹکا کے آئندہ عتعل دُور بیگنے نے
بنادی غیرتِ جنت یہ سرزمیں میں نے
کیا حزاد سے جہاں کو تِ لگیں میں نے
تو پایا خانہ دل میں اسے ملکیں میں نے
دیا بہن نے جس دم مری صدائے سنی
بنیا ذرود کی ترکیب سے کنجی عالم
لوسوے لال کیا سینکڑوں زمینوں کو
سمجھ میں آئی حقیقتِ ذجوب ستاروں کی
ڈر اسکیں نہ کلیاں کی مجھ کو تلواریں
کشش کا راز ہویدا کیسا زمانے پر
کیا اسیر شاعروں کو، برقِ مضطرب کو
موج خبرہ نہ ملی آہ! رازِ بستی کی
ہوئی جو چشم منظاہر پست و آخر

مراثہ ہندی

ہم بلبلیں میں اس کی یہ گلستان ہمارا
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاس بیان ہمارا
کاشن ہے جن کے دم سے شک جہاں ہمارا
آخراتے کنارے جب کارواں ہمارا
ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستان ہمارا
اب تک متحرک ہے باقی نام و نشان ہمارا
صدیوں رہا ہے دشمن دو بزمائیں ہمارا
سائے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
عزیت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے اونچی
پرہت وہ سبے اوپنچا ہمسایہ آسمان کا
خودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
اے آب و دُنگنا! وہ دن ہیں یاد بچھ کو؟
مذہب نہیں سکھاتا اپس میں بیر کھنا
یونانِ مصروف و ماسبِ مت گئے جہاں سے
کچھ بات ہے کہ بستی ملتی نہیں ہماری
اقبال! کوئی محروم اپنا نہیں جہاں میں
مسلوم کیا کسی در دنہاں ہمارا

چکنو

چکنو کی روشنی ہے کاشانہ چن میں
ایسا ہے آسمان سے اڑکر کوئی ستارہ
یا شب کی سلطنت میں دن کا سیرا؟
تمگر کوئی گرا ہے متاب کی قلب کا؟
خُسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جلک تھی^{تھی}
لے آئی جس کو قدر خلوت سے اجنب میں؟
بھونٹے سے چاند میں ہے نلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گمن سے، آیا کبھی گمن میں

پروانہ اک پنچا، چکنو بھی اک پنچا
وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سر لیا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانے کو پیش دی، چکنو کو روشنی دی
ریگن نہ اینیا مرغان بے زبان کو
گل کو زبان دے کر تسلیم خامشی دی
نط رہ شفق کی خوبی زوال میں تھی
چکنا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی
رنگیں کی سکر، باہنی دہن کی صورت
پنکے لال جوڑا شینم کی اُرسی دی
پانی کو دی روانی، موجودوں کو بے کل دی

یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری
چکنو کا دن وہی ہے جو رات ہے ہماری

حسن اذل کی پیدا ہر چیز میں جلک ہے
انسان میں وہ عنی ہے غنچے میں پچکتے
یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے گویا
واں چاند فی ہے جو کچھ یاں درد کی کمکتے
نغمہ ہے لوئے بلبل بکو پھول کی چکتے
چکنو میں جو پھکتے، وہ پھول میں ہمکتے
کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی

یہ اختلاف پھر کیوں ہنگام مول کا محل ہو
ہرشے میں جبکہ ہنساں خاموشی از ل ہو

صیح کاستارہ

اور اس خدمت پیغام سحر کو چھوڑوں
لطف ہمسایہ شش قمر کو چھوڑوں
اس بندی نے نہیں والوں کی سبقتی اچھی
میرے حق میں تو نہیں تاروں کی سبقتی اچھی
صحیح کا دامن صد چاک کفن ہے میرا
آسمان کیا، عالم آباد وطن ہے میرا
صحیح کوت کے ہاتھوں سے صبوحی پینا
میری قدرت میں ہے ہر روز کام رنائیں
اس گھر می بھر کے چکنے سے تو ظلمت اچھی
نیز خدمت نیز عزت نیز رفتہ اچھی
میری قدرت میں جو ہوتا، تو نہ اخترننا
میری دریا میں چمکت ہوا گوہر بنتا

وان بھی موجودوں کی کاششیں جو دل گھبراتا
پھوڑ کر بجستہ کہیں زیب گھو ہو جاتا
ہے چمکنے میں مرا حسن کا زیور بن کر
زینت تاج سر بانوئے قیصر بن کر
خاتم دست سیماں کا نیگن بن کے ہا
ایک پتھر کے جو ٹکڑے کا نصیبا جاتا
لیے چیزوں کا مخدود ہر ہیں ہے کام شکست
ہے کہ رہا گرانایہ کا انجم شکست
زندگی وہ ہے کہ جو ہونہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ انجام اگر زینست عالم ہو کر
کیوں نہ گرد جاؤں کسی پھول پر شیشم ہو کر

کسی پیش فی کے اقتدار کے تاروں میں ہوں
کسی مظلوم کی آہوں کے تاروں میں ہوں
کیوں نہ اس بیوی کی ٹکڑوں پر چاؤں میں
انکاب بن کر سر برزخاں سے انکاٹ جاؤں میں

جس کا شوہر ہو روان ہو کے زو میں ستور (ق) سوئے میدانِ غما جب قلن سے محصور
 یاں فرمید کا نظارہ جو دکھلاتی ہو جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرعاً ہو
 جس کو شوہر کی رضا تاب شکنائی دے اور نگاہ ہوں کو حیا طاقتِ گویائی مے
 تذہیت کی گھڑی عارضِ طلکوں ہو جائے کششِ حسن غم ہجھکے افزون ہو جاتے
 لاکھ وہ ضبط گرے میں پیک ہی جاؤں سا عزیز دیہہ پُر نم سے چلک ہی جاؤں
 خاک میں مل کے چیاتِ ابدی پا جاؤں
 عشق کا سوز زمانے کو دکھاتا جاؤں

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتیٰ نے جس زمیں میں پینام حق سنایا تباہ نے جس چن میں وحدت کا گیت گایا
 تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے جازیوں سے دشتِ عرب پھرایا
 میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے
 یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا سارے جہاں کو جس نے علم و ہبہ دیا تھا
 مئی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا ترکوں کا جس نے دامنِ میروں سے بھر دیا تھا
 میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے
 نوٹے تھے جو تاریخ اس کے آسمان سے پھرتا ب دے کے جس نے چکرات کہکشاں سے
 وحدت کی سُنی تھی دینا نے جس مکاں سے میر عربت کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
 میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے
 بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا نوحؐ نبی کا اکر ٹھیرا جہاں سخت
 رفت ہے جس زمیں کی ہم فدک کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضائیں جینا
 میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

نیا شوالہ

بیچ کر دوں اے بہمن! اگر تو براز مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
جنگ جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
اپنوں سے بیرکھا تو نے بتوں سے سیکھا
بنج آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے ترے فانے

پتھر کی سورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا محکم کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آ، غیریت کے پردے اک بار پھر انہادیں
پھرتوں کو پھر ملادیں، نقشِ دوئی ملادیں
آ، اک نیا شوالہ اس دلیں میں بنادیں
دیمان، آسمان سے اس کا لکھ ملادیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتروہ میٹھے میٹھے
شکنی بھی شانی بھی بھلتوں کے گیت میں
دھرنی کے باسیوں کی ملحتی پریت میں ہے

داع

عذلت غاریبی اک مدت سے پیوند زمیں
حمدی مجروح ہے شہرِ خوش اس کا ملکیں
توڑڈالی موت نے عزبت میں میتائے امیر
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیف صہبائے امیر
آج لیکن ہمتو! اس راچن ما قم میں ہے!
شمع روشن بکھر گئی، بزمِ عنہم میں ہے
بیلِ دل نے یاندھا اس حمپن میں آشیان
ہمتو ایں سب خاکل باعثِ ہستی کے جہاں
چل بساد آغ آہہ! میت اس کی زیرِ قوش ہے!
آخری شعر جہاں آباد کا خاموش ہے!

اب کہاں وہ یالپکن اودھ شوخی طرز بیاں!
مکتی زبان داع پر جو آرزو ہر دل میں ہے
اب صبا سے کون پوچھے کامکوت کیل کاراز؟
مکتی حقیقت سے غفلت فکر کی پرواز میں
آنٹھ طارک نشین پر رہی پرواز میں

اور دکھلائیں گے مغمون کی ہمیں یار بیجان
تلمیز دوران کے نقشے کھینچ کر روا میں گے
اس چین میں ہوں گے پیدا بیبل شیراز بھی
لکھی جائیں گی کتاب دل کی تفسیریں بہت
ہو بہو کھینچے گا اسیکن عشق کی تصویریں گوں
انٹھ کی ناؤک فلکن ناے گا دل پر تیر کوں؟

اشک کے دانے زمین شحر میں بوتا ہوں میں
تو بھی رواتے خاک دلی داع کو وتا ہوں میں
اے جہاں اباداے سر دایہ بزم سجن
ہو گیا پھر اُج پامال خسناں تیرا چمن!
وہ گل رنگی ترا رخصت شال بو ہوا
مکتی نہ شاید کچھ کرشش ایسی وطن سخاں میں
ایاد کا بر بزم دھسلی ایک خاتی رہ گیا
اُرزو کو خون روواتی ہے بیدا د اجل
کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکن زیادا ہے خزان کارنگ بھی وہ جری قیام گھستاں
ایک ہی قانون عالمگیر کے ہیں اس ب اثر
بوئے گل کا باع نے بھچیں کا دینا سے ضر

اپر

اُنھی پھر آج وہ پوربے کالی کالی لگت
 سیاہ پوش ہوا پھر پس اڑ سر بن کا
 ہوا کے سرد بھی آئی سور تو سن ابر
 عجیب میکدہ بے خروش ہے یہ لگت
 قلا کے محل میں گھر نالختن کو آئی ہے
 زمیں کی گود میں جو پڑ کے پوربے تھے، اُنھے
 ہوا کے زور سے اجھرا، بڑھا، اڑا ہادل
 عجیب خیمہ ہے کسار کے نہالوں کا
 یہاں قیام ہو وادی میں بھرنے والوں کا

ایک پرندہ اور جگنو

کسی شمنی پہ بیجیٹ چارہ تھا
 اڑاٹ رہا سے جگنو سمجھ کر
 ذکر ہے کس پہ منقار ہوس تیز
 اسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
 پنگوں کے جہاں کا طور ہوں ہیں
 چمک تیری بہشتِ گوش اگر ہے
 تجھے اس نے صدائے دربار دی
 مجھے گلزار کی مشعل بنایا

سرست م ایک مرغِ نفس پیرا
 پھلتی چیڑا ک دیکھی زمیں پر
 کہا جگنو نے او مرغِ نوا ریز
 تجھے جس نے چمک، ہل کو ہنک دی
 لباسِ نور میں مستور ہوں میں
 چمک تیری بہشتِ گوش اگر ہے
 پر دل کو میرے قدرت نے فیض دی
 تری منقار کو گانہ سکھایا

چک بخشی مجھے، اواز بچھ کو دیا ہے سوز مجھ کو، ساز بچھ کو
 مختلف ساز کا ہوتا نہیں سوز جاں میں ساز کا ہے ہم شیں سوز
 قیام بزم ہستی ہے انہیں سے طور اوج ولپتی ہے انہیں سے
 ہم آہنگی سے ہے مغل جاں کی
 اسی سے بہے بہار اس پستان کی

• بچھ اور شمع

کیسی جرایت ہے یاے طفلک پروانہ خدا شمع کے شعلوں کو گھڑیوں دیکھا متلکہ ہے تو
 یہ مری آخوند میں بینے ہوئے جنبش ہے کیا روشنی سے کیا بغل گیری ہے تیرا مدعا؟
 اس نظارے سے ترانا خاصاً دل جریں ہے
 یکسی دیکھی ہوئی شے کی مگر چیز ان ہے

شمع اک شعلہ ہے، لیکن تو سراپا نور ہے اُہ! اس مغل میں یہ عربیاں ہے، تو مستحبہ
 دست قدرت نے اسے کیا جائے کیوں عربیاں کیا
 بچھ کو خاک تیر کے فانوس میں پہنائ کیا
 نور تیرا چھپ گی زیرِ فقاب آگئی
 ہے عنبر دیدہ بینا جا ب آگئی
 زندگانی جس کو کہتے ہیں فسرا موٹی ہے یہ
 خواب یعنی غفلت ہے، مرسنتی ہے، بھیوٹی ہے یہ

مغل قدرت ہے اک دریائے بے پایاں جُن
 جُن کوہنائ کی ہمیت ناک خاموشی میں ہے
 میر کی خوگستری، شب کی شیہ پوٹی میں ہے
 شام کی خلعت شفقت کی گل فروٹی میں ہے، یہ
 طفلک نا آشتہا کی کو ششِ گفار میں
 عالمت دیرینہ کے شتنے دوئے آثار میں

سماں نے مجنحش کی ہم آزادی میں ہے
نخے نخے طائریں کی اشتیاں سازی ہیں ہے
چشمہ کھار میں، دریا کی آزادی ہیں حسن
شہر میں، صحرائیں، ویرانے میں، آبادی ہیں حسن
روح کو لیکن کسی گمگشته شے کی ہے ہوں درہ اس صحرائیں کیوں نالاں بے میشل جوں
حسن کے اس عام جلوے میں بھی یہ سیتا
زندگی اس کی مثال ماہی بے آب ہے۔

کنارِ راوی

سکوت شام میں مجوہ سڑ ہے راوی
ن پوچھ بھگے سے جو بے کیفیت مرکول کی
ہیام سحبہ کا یہ زیر دم ہوا مجھ کو جہاں تام سواد حسم ہوا مجھ کو
سر کنارہ آب روائی کھڑا ہوں میں
خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں

ثراہ سرخ سے رنجیں ہوابے دامن شام
لیے ہے پیر فلک ست رعشدار میں جام
عدم کو فلہ روز تیسرا ہم چلا
شفق نہیں بئے یہ موج کے پھول ہیں کویا
کھڑے ہیں دوروہ غلط فزانے تہماںی
منارِ خاوب کی شسوا چپتائی
فائدہ ستم انقلاب ہے محمل کوئی زمانِ شلغت کی کتاب ہے یہ محل
مقام کیا ہے، سرو دخوش ہے کویا
شجر؟ یہ انجمن بے خودش ہے کویا

روائی ہے سیدہ دریا پاک سفینہ تیسرا
ہوا ہے موج سے ملاج جس کا گرم تیز
سبک روی میں ہے مثل نگاہ یہ کشتی
خل کے حلقة حستہ نظر سے دور کئی
چہاڑ زندگی آدمی روائی ہے یونہیں
ابد کے بھر میں پیدا یونہیں نہاں ہے یونہیں

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے، لیکن فنا نہیں ہوتا

الْتَّجَارَةُ مَسَافِرٌ

(بِ درگاہِ حضرتِ محبوب الْهَمَدَنِی)

بُرُّی جنابِ تری، فیضِ عالم ہے تیرا
فرشے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
تارے عرش کے تیری کشش سے ہیں قام
تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
سیع و خضر سے اوپنی مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوبی
بُرُّی ہے شان، بُرُّا احتمام ہے تیرا
اگر سیاہِ دلم، داعِ لالہ زارِ قوام
و گرگشا دہ جبینم، گلِ بہارِ قوام

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثلِ نہستِ گل
ہوا بے صبر کا منظورِ امتحانِ محبکو
چل ہے لے کے دطن کے نجاخانے سے
شرابِ علم کی لذتِ کشاں کشاں محبکو
یک خدا نے نہ محنتِ باجناسِ محبکو
نظر ہے اب کرم پر، درختِ بھرا ہوں
کیا خدا نے عطا ہو وہ نزدیکِ محبکو
تلائیں صفتِ مهر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیکِ محبکو
کر سمجھے منزِلِ مقصود کا رواںِ محبکو
مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسمانِ محبکو
دوں کو چاک کرے مثلثِ نہ جن کا اثر
تری جناب سے ایسی طے فنا محبکو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاںِ محبکو

پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پر جبیں
 کیا جھنوں نے مجت کارا زداں محبوکو
 وہ شمع بارگہ حنادان مرتفعی
 رہے گا مثلِ حرم جس کا آستانِ عبکو
 لفڑ سے جس کے کھلی میری آرزوں کلی
 اسے جس کی مرقت نے نکتہ داں محبوکو
 بنایا جس کی زیارت سے شاداں محبوکو
 دعا یہ کر کہ حنداوند آسمان و زمین
 کرے پھر اس کی زیارت سے شاداں محبوکو
 وہ میرا یوسف بنتی، وہ شمعِ محفلِ عشق
 ہوئی ہے جس کی اخوتِ فرارِ جاں محبوکو
 جلا کے جس کی مجت نے دفترِ من ولو
 ہوا عیش میں پالا، کیا جو اں محبوکو
 ریاضِ دہر میں مانندِ گل رہے خندان
 کہ چے عزیزِ قزاد جاں جان جان جان محبوکو
 شلتہ ہو کے گل دل کی پھول ہو جائے
 یہ انجامے ماسنر قبول ہو جائے

غزلیات

گلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
 ہے دیکھنے کی چیز اسے یار بار دیکھ
 آیا پے تو جہاں میں مثل مشرار دیکھ
 دم دے نہ جائے ہستی ناپایار دیکھ
 ماں کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں تو میرا شوق دیکھ، مرانٹا ر دیکھ
 کھوئی ہیں ذوق دید نے انھیں تری اگر
 ہر بجزر میں نقشِ لفڑ پا کے یار دیکھ

○

نہ آتے ہمیں اس میں تحرار کیا ہتھی محرر و مدد کرتے ہوئے عار کیا ہتھی
 تمحارے پیامی نے سب راز گھولہ - خطا اس میں بندے کی سرکار کیا ہتھی
 بھری بزم میں اپنے عاشق کو تارا تری انھوں مستی میں ہشیار کیا ہتھی
 نائل تو تھا ان کو آنے میں تاصدھ محرر یہ بتا طرزِ انکار کیا ہتھی
 کچھے خود بخود جانب طور موئی کشش تیری اسے شوقی ویدا کیا ہتھی
 کہیں ذکر رہتا ہے اقبال تیرا
 فسون تھا کوئی تیری لفتا ر کیا ہتھی

○

عجب و اعظام کی دینداری ہے یار بنا عداوت ہے اسے سارے جہاں سے
 کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ اس کہاں جاتا ہے، آتا ہے کہاں سے

وہیں سے رات کو فلمست ملی ہے چک تارے نے پانی ہے جاں سے
 ہم اپنی درد مندی کا فساد سُنا کرتے ہیں اپنے رازداں سے
 بُری باریک یہیں داعظکی چالیں
 لرز جاتا ہے آوازِ اذان سے!

○

بجیاں بیتاب ہوں جن کو جلانے کے لیے لاوں وہ بُنگے کہیں سے آشیانے کے لیے
 میں نے جس ڈالی کوتناڑ آشیانے کے لیے وائے ناکامی فلکنے تاک کر توڑا اے
 ایک پچانہ ترا سائے زمانے کے لیے آٹھوہل جاتی ہے ہفتادوہلٹت سے تری
 لوٹ جائے آسمان میرے مٹانے کے لیے دل میں کوئی اس طرح کی آرزو پیدا کروں
 جمع کر خرمن تو پہے دانہ دانہ چن کے تو آہی بُنگے گئی کوئی بُلی جلانے کے لیے
 پاس تھا ناکامی صیاد کا لے ہم صفیر ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کے لیے
 اس چین میں مرعِ ذل کا نے نہ آزادی کا گیت
 آہ! یہ گھشن نہیں ایسے ترانے کے لیے

○

اور اسیرِ حلقةِ دام ہوا کیونکر ہوا؟ کی کہوں اپنے چین سے میں جدا کیوں نکر ہوا؟
 مجھ کو یہ خلعتِ شرافت کا عطا کیوں نکر ہوا؟ جانے چیرت ہے بُراسارے زمانے کا ہوں میں
 کیا بخبر ہے تجھ کو لے دل فصلک کیوں نکر ہوا؟ کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تھا طور پر
 مرعِ ذل دامِ نہت سے ہا کیوں نکر ہوا؟ بے طلبیے دعا ہونے کی بھی اک مدعایا
 پھر یہ وعدہ حشر کا صبر آزمایوں کیوں نکر ہوا؟ دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے
 وہ جو تھا پڑوں میں پہنچا خود نہما کیوں نکر ہوا؟ حسن کامل ہی نہ ہواں بے جوابی سبب
 چارہ گرد دیوا ہے، میں لادو کیوں نکر ہوا؟ موت کا نخاں بھی باقی ہے اے درد فرق!

تو نے دیکھا ہے کبھی اے دیدہ بھرت کے گل
پر سش اعمال سے مقصد تھا سوائی مری درنے ظاہر تھا سمجھی کچھ، کیا ہوا کیوں بھر ہوا؟
میرے منٹے کا ت شاد لیخنے کی چیز ہتھی
کیا بتاؤں ان کا سیر اس منا کیوں بھر ہوا؟



اُنکی انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نزا لے رہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہئے والے میں
علاج درد میں بھی درد کی لذت پر مرتا ہوں
جو نفع چھالوں میں کانٹے نوکِ جن میں نکالے ہیں
پھلا پھولا رہے یارب چن میری اُمیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر بوجوئے میں نے پالے ہیں
رلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی
نرالا عشق ہے میرا، نزلے میرے نملے ہیں
نہ پوچھو بھروسے لذت خانماں برباد رہئے کی
نشیمن سیکڑوں میں نے بن کر بچوں کا ڈالے ہیں
نہیں بیجا نئی اچھی رفیقت راہ منزل سے
نہ سر جائے شر رہم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں
اُمید حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے بھولے بھائے میں
مرے اشوار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے نہ ہوئے دل کے یہ درد انیزنا لے ہیں

ناظر کی آنکھ سے نتاشاٹ کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل واگرے کوئی
منصور کو ہوا بب گویا پیام موت
ہو دیدہ کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
میں انتکارے عشق ہوں تو انتکارے حسن
عذر آفرین جرم محبت ہے حسن و مت
چھپتی نہیں ہے یہ نجھ شوق، ہم نہیں!
اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم
نظارے کو یہ جنیش فرخاں بھی بارہے
کھل جائیں کیا مزے ہیں تناکے شوق میں
دو چار دن جو مسیری تناکرے کوئی

○
کہوں کی آرزوئے بیدلی مجھ کو کہاں تکہ ہے
وہ میکش ہوں فرقع نے سے خود گھرا بن چوں
چحن افروز ہے صیاد میری خوشناوی نہیں
وہ مشتِ خاک ہوں فیض پریشانی سے صحراؤ
جرس ہوں، نالہ خوابیدہ ہے میرے ہر گپتیں
لکون دل سے سامان کشود کا رپیدا کر
چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے مبلل
جو انہیں ہے تو ذوق دیدی یعنی لطفِ تنا بھی
زمانے بھر میں رسوا ہوں میکھ اُنے نادانی
سمجھتا ہوں کہ میرا عشق تیرے رازداں تکہ

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں، زمینوں میں
وہ نکلے میرے فلمت خانہ دل کے میکنوں میں
حقیقت اپنی آنکھوں پر نہایاں جب بھئی اپنی
مکان نکلا ہمارے خانہ دل کے میکنوں میں
اگر کچھ آشنا ہوتا مذاق جبہ سائی سے
تو سنگ آستان کجھ جا ملتا جبینوں میں
کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں؟
کریمی کی طرح تو خود بھی بے عمل نشینوں میں
ہی نے وصل کے گھریلوں کی صورت اٹھاتے جاتے ہیں
مگر گھر دیاں جب اُن کی لگزرتی میں نہیں میں
مجھے روکے گا تو اے ناخدا یا عزیز ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو، ڈوب جاتے ہیں سخینوں میں
چھپا یا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
وہی ناز افسری ہے جلوہ پیرا ناز نہیں میں
جلا سکتی ہے شمعِ کشته کو موجِ نفس ان کی
آئی؛ کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کمرِ خدمتِ فقیروں کی
نہیں ملت یہ کوہر بادشاہوں کے فہریں میں
ذپوچھ ان خرق پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھان کو
یدِ بصیرت لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ترستی ہے نگاہ نارساجس کے نظارے کے کو
 وہ رونق اخشن کی ہے انہیں خلوت گزینوں میں
 کسی ایسے شر سے پھونک اپنے خرمن دل کو
 ک خور شید قیامت بھی ہوتیرے خوش چینوں میں
 محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی نوٹنے والا
 یہ وہ مے بے جسے رکھتے ہیں نازک آجینوں میں
 سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
 بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں؟
 پھر ہر اٹھا کوئی تیری ادا کے معاشر فنا پر
 ترا رتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز افرتوں میں
 نیاں ہو کے دکھلا دے کبھی ن کو جسال اپنا
 بہت مدت مے چڑھے ہیں ترے باریکت بخیں میں
 خوش اے دل! بھری محفل میں چپلانا نہیں اچھا
 ادب پلا فستر نیز ہے محبت کے قریبوں میں
 بُرا بھجوں انھیں؟ محبت سے تو بسا ہونہیں سکتا
 کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے نجھ چینوں میں



ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
 ستم ہو کہ ہو وعدہ بے جواب کوئی بات صبر ازنا چاہتا ہوں
 یہ جنت مبارک ہے زاہدوں کو کر میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
 ذرا ساتوں ہوں، محرثوخ اتا وہی لئ نڑائی سن چاہتا ہوں

کوئی دم کا جماں ہوں اسے ابلِ محل چراغِ سحر ہوں، بجھا پا ہتا ہوں
 بھری بزم میں رازگی بات کہہ دی
 بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

○
 کشادہ دستِ کرم جب بے نیاز کرے
 نیاز مند نہ کیوں عاجزی پنماز کرے
 بٹھا کے عرش پر کھاہے تو نے اسے عوظ
 خدا وہ کیلئے جو بندوں سے احتراز کرے
 مری نگاہ میں وہ رندہ نہیں ساقی
 جو ہشیاری و کستی میں ایتیاز کرے
 مدام گوش چل دیہ ساز ہے ایسا
 جو ہر شکستہ تو پیدا نہ اسے راز کرے
 کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بخوبی ہے
 سُن میں سوزِ الہی کہاں سے آتھے
 تیزِ لالہ و گل سے ہے نالہ بلبل
 جہاں میں وانہ کوئی چشم ایتیاز کرے
 عزادِ بزرہ نے سکھلا دیا ہے واعظ کو
 کہ بندگان خدا پر زبانِ دراز کرے
 ہوا ہوا ایسی کہ ہندوستان کے آقبال
 اڑا کے مجھ کو غبارہ جماز کرے

○
 سختیاں کرتا ہوں دل پر، غیرے غافل ہوں میں
 ہائے کیا اچھی کھنی ظالم ہوں میں، جاہل ہوں میں
 میں جبھی بیک تھا کہ تیری حبلوہ پیرائی نہ ہتی
 جو نمودِ حق سے مت جانتا ہے وہ بھل ہوں میں
 علم کے دریا سے نکلے خوظہ زن گوہر بدست
 دا تے مخدومی! خوف چین لبِ ساحل ہوں میں

ہے مری ذلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل
 جس کی غفلت کو ملک روتے ہیں وہ غافل ہوں میں
 بزم سہتی! اپنی آرائش پر لوتا زار نہ ہو
 تو تو اک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں
 ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
 آپ ہی گویا مسافر، آپ ہی منزل ہوں میں

○

نظرے کی ہوں ہو تو میں بھی چھوڑ دے
 دینا جو چھوڑ دی ہے تو عقیٰ بھی چھوڑ دے
 رستہ بھی ڈھونڈنا خفر کا سودا بھی چھوڑ دے
 بیگانہ شے پر نازش بیجا بھی چھوڑ دے
 بسم نہیں ہے تو تو ترپنا بھی چھوڑ دے
 اس باع نہیں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے
 بتخانہ بھی، حرم بھی، کلیسا بھی چھوڑ دے
 اے ے جبرا جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
 لیکن کبھی کبھی اے تنہا بھی چھوڑ دے
 سترت کی زندگی کا بھرسا بھی چھوڑ دے
 شرط رضا یہ ہے کہ تھا ضا بھی چھوڑ دے
 واعظ ثبوت لائے جو نے کئے حواسیں
 اقبال کو یہ فند ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

حصہ دوم

(ستمبر ۱۹۰۵ سے نومبر ۱۹۰۸ تک)

محبت

ستارے سماں کے بے خبر تھے لذتِ رام سے
ن تھا واقفِ ابھی گردش کے آینے مسلم سے
مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پسائے عالم سے
ہو یہاں تھی نیچے کی تمنا چشمِ حنائم سے
صفا تھی جس کی خاک پا میں بڑھ کر سا عزم سے
چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ دوحِ آدم سے
وہ اس نیچے کو بڑھ کر جانتا تھا اس کمِ عالم سے
تمناے دلی آخر برآئی سی ہی ہمیں سے
چھپے گی کیا کوئی شے بار کا ہو جن کے محروم سے
اڑائی تیرگی مکوریٰ ہی شب کی لفڑیم سے
حرارت لی نفس سائے سیحِ ابن مریم سے
ملک سے عاجزی، افتادگی تقدیرِ شبلم سے
مرکب نے مجتہت نام پایا عرشِ عظم سے
گرہ کھولی ہنزرنے اس کے دیباکا عالم سے
لگے ملنے لگے اٹھاٹھوکے اپنے اپنے ہمدرم سے

خرام ناز پایا آفتابوں نے، ستاروں نے
چنک غنچوں نے پائی، داغ پائے لا لزاروں نے

عروہ شب کی زلفیں تھیں ابھی تا اشاخہ سے
قرل پسند بس نو میں بیگانہ سالکتا تھا
ابھی امکان کے ظلمت خانے سے بھری ہی تھی دینا
کمالِ نظمِ ہستی کی ابھی بھتی استادِ گویا
ستا بے عالمِ بالا میں کوئی کیمیا گرتا تھا
لکھا تھا عرش کے پائے پر اک اکیسا کافی نیخ
نچا ہیں تاک میں رہتی تھیں لیکن کیمیا گر کی
بڑھا تیجِ خانی کے بہانے عرش کی جانب
پھرا یا فکر اجرانے لے میدان امکان میں
چک تارے سے مانچی بچاندے داع جگر مانجا
تڑپ بجلی سے پائی، حورے پاکینگی پائی
ذراسی پھر ربویت سے شان بے نیازی لی
پھر ان اجردا کو گھول اچشمِ جواں کے پانی میں
موس نے یہ پانی ہستی نوجہز پر پھرڑ کا
ہوئی جبیش عیاں، ذروں نے لطفِ خواجہ جوڑا

حقیقتِ حسن

جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا
 شبِ درازِ عدم کا فسانہ ہے دنیا
 وہی حسین ہے حقیقتِ نوال ہے جس کی
 فلک پر عام ہوتی، اختر سحر نے سنی
 فلک کی بات بتاوی زمیں کے حرم کو
 بھرائے پھول کے آنسو پیامِ شبم سے
 چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا
 شباب سیر کو آیا تھا، سو گوار گیا

پیام

بزمِ کو مثلِ شیعِ بزمِ حاصلِ بونوسازی
 شانِ کرم پر ہے مدارِ عشقِ گردش کے کا
 دیر و حرم کی قید کیا، جس کو وہ بنے نیازیے
 جس کو خدا نہ دہر میں گریز جاں گذاری
 صورتِ شمع نور کی ملتی نہیں قبا سے
 تماں میں وہ، قربیں وہ، جلوہ گہم بھر میں وہ
 عشق بند بال ہے رسم و رہ نیاز سے
 پیرِ معانِ فرنگ کی مے کاشنا طہے اثر
 اس میں وہ کیفِ عُمَّ نہیں، مجھ کو تو خانہ ملائیں

بچھو کو جرنیں بے کیا؛ بزم کمن بدل گئی
اب نہ خدا کے واسطے ان کو نہ مجاز دے

سوانی رام تیرتھ

ہم بعل دریا سے ہے اے قطرہ میتاب تو
پسے گوہرنا، بنا اب گوہرنا یا ب تو
آہ کھولائیں ادا سے تو نے رازِ زندگ دیو
میں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ زندگ بو
یہ شرارہ، بچھو کے آتش خانہ آزر بنا
مٹ کے عنوخانہ زندگی کا شورشِ محشر بنا
نفی ہستی اک کر شتم بے دل آگاہ کا
لاکے دریا میں نہاں موقی ہے الالہ کا
چشم نا بینا سے مخفی مصنیِ انجام ہے
توڑ دیتا ہے بت ہستی کو ابراہیم عشق
چشم کا دارو ہے کویا مستی تینی عشق
چشم کی جس دم تڑپ سیماں سیم خام ہے

طلیبہ علی گڑھن لمح کے نام

عشق کے در دمند کا طرز کلام اور ہے
یہ بھی سنو کہ نالطفِ کربام اور ہے
کتنا حامور ناتوال لطفِ خرام اور ہے
اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے
گردشِ ادمی ہے اور گردشِ جام اور ہے
غمکدہ نعمد میں شرطِ دوام اور ہے

اور وہ کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
طاہر زیرِ دام کے نالے توں چکے ہو تم
آقی بھتی کوہ سے صد رازِ حیات بے گوں
جذبِ حرم سے بے فروعِ انجنِ حباز کا
موت ہے عینِ جاودا، ذوقِ طلبِ اگر نہ ہو
شمعِ بحری کہہ گئی سوز بے زندگی کا ساز

بادہ ہے نیم رس ابھی، شوق۔ بارہ بھی
رہنے دو جنم کے سر پر تم تخت بیٹھی

آخر صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا ملی نگاہ، مگر فرصت نظر نہ ملی
ہوئی ہے زندہ دم آفتاب سے ہر شے اماں مجھ کو تِ دامنِ حسرہ نہ ملی
بساط کیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی
نفس جاپ کا، تابندگی شرارے کی
کہ پر میں سن کے اسے زیورِ جبینِ سحر
پیک بلندی گردوں سے احمد و شبنم مرے ریاضِ حسن کی فضائے جاں پور
میں باعیاں ہوں مجت بھار ہے اسکی
بنامثالِ ابد پامدار ہے اسکی

حسن و عشق

جس طرح ڈوبتی ہے کشتیِ سینِ قمر نور خور شید کے طوفان میں ہنگامِ محروم
جیسے ہو جاتا ہے گم، نور کا لیکر آپنے چاندِ رات میں دستاب کا ہنگامگز
حبلوہ طور میں جیسے یہ بھیا سے کلیمِ موجود نگز کھزار میں غنیمہ
ہے ترے سیل جستیں یونہیں دل میر
تو جو محفل ہے، تو ہنگامِ محفل ہوں میں حسن کی برق ہے تو، عشق کا حامل ہوں میں

تو حیر ہے تو مرے اشک ہیں شدتم تیری ”شام عزیت ہوں اگر میں تو شفق نو میری
مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے تری تصویر سے پیدا مری جیسا نہ ہے
حسن کامل ہے ترا عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باعِ سخن کے لیے تو باد بھار میرے بیتا ب تجھیل کو دیا تو نے قرار
جب سے آباد ترا عشق ہوا یہینے میں نئے جو ہر ہوئے پیدا مرے آئئے میں
حسنے عشق کی فطرت کو بے تحفہ کمال بچھے سے سربز ہوتے میری امیدوں کے نہال
قابلہ ہو گیا آسودہ منسل میرا

کی گود میں بلی دیکھ کر

رمزا آغا ز محبت کی بتا دی کس نے؟
پچھے کو در زیدہ نجا ہی یہ سکھا دی کس نے
ہر ادا سے تیری پیدا ہے محبت کسی
دیکھتی ہے کبھی ان کو، کبھی ستر ماتی ہے
امٹھے تیری صفتِ آنے چران ہے کیا؟
مارتی ہے انھیں پوچھوں سے جھپٹا ہے یہا!
شوخ تو ہو گی، تو گودی سے اتاریں گے پچھے
کیا محبت ہے پچھے؟ کس کی تمت اتنی ہے
خاص انسان سے کچھ حسن کا احساس نہیں
شیشہ دہریں مانند نئے ناب ہے عشق
دل ہر ڈرہ میں پوشیدہ کر کے اس کی
کہیں سامانِ مستر تکمیں ساڑعنم ہے
کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شنک ہے

کلی

جب دھھاتی بے سحر عارضِ رنجیں اپنا
کھول دیتی ہے کلی سینہ نریں اپنا
جلوہ آشام بے یہ صبح کے میخانے میں زندگی اس کی ہے خورشید کے پہنچنے میں
سامنے نمر کے دل پھیر کے رکھ دیتی ہے
کس قدر سینہ شکافی کے مزے لیتی ہے

مرے خورشید ابھی تو بھی اٹھا پنی نقاب
بہرِ نظارہ ترقی ہے نگاہ بنتے تاب
تیرے جلوے کاشیمن ہو مرے یعنی میں
عکس آباد ہوتیسا مرے آئینے میں
روشنی ہوتا نظارہ مرے دل کے لیے
زندگی ہو تری گھوارہ مرے دل کے لیے
ذرا ذرا ہو مر اپھ طربِ اندو ز حیات
ہو عیاں جو ہر اندازی میں پھر سوز حیات
اپنے خورشید کا نظارہ کروں ورے میں صفتِ غچہ، تم آغوش رہوں نورے میں
جانِ مفطر کی حقیقت کو نیاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خالوں کو بھی عریاں کر دوں

چاندا اور تارے

ڈرتے ڈرتے دم سحرے تارے کئے لگے قمرے
نظارے رہے دہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر
کام اپنا ہے صبح دشام چلنا
چلتا، چلتا، ، دام چلتا
بیتاب ہے اس جہاں کی ہر شے کئے ہیں جے سکوں انہیں ہے
رسہتے ہیں ستسم کش سفر سب تارے، انساں، شجر، جھر، سب
ہو گا کبھی ختم یہ سفر کیا؟
منزل کبھی آتے گی نظر کیا؟

لکھنے رکا چاہ نہ، ہم نشینو؛ اے مزرعِ شب کے خوش چینیا!
 جنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسمِ فتديم ہے یہاں کی
 کھا کھا کے طلب کا تازیا نہ ہے دوڑتا اشہب زمانہ
 اس رہ میں مقام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے
 چلتے والے نخل گئے ہیں جو بھیرے ذرا، کچل گئے ہیں
 انجام ہے اس خرام کا حسن
 آغاز ہے عشق، انت حسن

وصال

خوبی قسمت سے آخر مل گیا وہ محل مجھے
 جو جھو کو جب نگیں نواپاتا تھا، شرماتا تھا میں خود ترپتا تھا، چون والوں کو ترپتا تھا میں
 ارتکابِ جرمِ الفت کے لیے میتاب تھا میرے پہلو میں دلِ ضطرہ تھا، سیما ب تھا
 نامردیِ محل میں مری مشبوہ کنیتی صبح میری آئندہ دارِ شبِ دیکھور تھی از نفس در سینہ خون گشته نشرت و شتم
 زیرِ خاموشی نہادِ خوغانے کے عشر داشتم

اہلِ حکشن پر گراں میری غزلِ خوانی نہیں
 کھیلتے ہیں بھیوں کے ساتھ اب نالے میرے اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
 اور آئینے میں عکسرِ عدم دیرینہ ہے غاذہ الفت سے یہ خاکِ سیہ آئینہ ہے
 دل کے لٹ جانے سے میرے ہمدرکی باوی ہوتی قید میں آیا تو حاصلِ مجھ کو آزادی ہوتی
 چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمند ہے صورے اس خورشید کی اختیار تابندہ ہے

یک نظر کر دی و آواب فنا آموختی
اے خنک روزے کر خاشاکِ را و سخنی

۷۶

سلیمانی

جبس کی نمود دیکھی چشم ستارہ بیس نے
خورشید میں ، قمر میں ، تاروں کی اجمن میں
صوفی نے جبس کو دل کے ظہرت کرده میں پایا
شاعر نے جبس کو دیکھا قدرت کے بانگپن میں
جب کی چمک بے پیدا ، جبس کی فمک ہویدا
شبینم کے موئیوں میں ، پھولوں کے پیراں میں
محرا کو ہے بسا یا جبس نے سکوت بن کر
ہنگامہ جبس کے دم سے کاش انچمن میں
ہر شے میں ہے نمایاں یوں توجہاں اس کا
آنخوں میں ہے سیمی । تیری گال اس کا

عاشقِ ہرجاتی

①

ہے عجب مجموعہ اضداد اے اقبال از رونقِ ہنگامہ محفل بھی ہے ، تہما بھی ہے
تیرے ہنگاموں سے اے دیوانہ زنگیں نوا زینتِ لکش بھی ہے ، اڑائشِ محراجی ہے

ہم شیں تاروں کا ہے تو رفت پرانے
 عین شغل میں پیشانی ہے تیری بحد ریز
 مثل بوئے گل بس رنگ سے عیال ہے تو
 جانبِ منزلِ رواں بُنقش پامندِ موج
 حسنِ نسوانی ہے جمل تیری فطرت کے لیے
 تیری ہستی کا ہے آئینِ نقش پر مدار
 ہے سینوں میں وفا ناشتا تیرا خطاب
 لے کے آیا ہے جہاں میں عادتِ سماں تو
 تیری بیتاب کے صدقے ہے جب بیتاب تو

(۲)

مشت خالِ ایسی نہماں زیرِ قیارِ کھتا ہوں میں
 بیسنے میں ہیڑا کوئی ترشا ہوار کھتا ہوں میں
 کیا بخترِ تجھو، درونِ سینے کیا کھتا ہوں میں
 مضطرب ہوں دل کھون ناشا رکھتا ہوں میں
 حسن میں ضبوط پیمان وقار کھتا ہوں میں
 سوز و سازِ جستجو مثلِ صبار کھتا ہوں میں
 ہو نہیں سکتا، کو دل بر ق آشنا رکھتا ہوں میں
 آہ! وہ کامل تجلی مددعا رکھتا ہوں میں
 حسن بے پایاں ہے دردلا دوار کھتا ہوں میں
 عشق کو آزاد دستور وقار کھتا ہوں میں

عشق کی آشنگی نے کر دیا صمرا ہے
 ہیں ہزاروں اس کے پہلو زنگ ہر پہلو کا اور
 دل نہیں شاعر کا، ہے کھیتیوں کی رستخیز
 آرزوہ کھیتی میں اک نئے جلوے کی ہے
 گوہیں تماز ہے ہر لمحظ مقصودِ نظر
 بے نیازی سے ہے پیدا امیری فطرت کا نیاز
 موجب تکیں تماش کے سڑا جستہ
 ہر تھانِ عشق کی فطرت کا ہو جس سے خوش
 جستجوکل کی یہ پھرقی ہے اجزائیں مجھے
 زندگی الگت کی دردناخیمیوں کے ہے مری

دل میں ہر دم اک نیا محشر پار کھتا ہوں میں
 تشنہ دام ہوں، آتشیں زیر پار کھتا ہوں میں
 نقش ہوں اپنے مصور سے ٹھوڑا کھتا ہوں میں
 بخیل، تستی میں جب بیسا ننگ جلوہ تھا سن
 در بیان طلب پیوستہ می کوشیم ما
 موجود بحریم و شکست خواش بر دوشیم ما

کوشش ناتمام

چشم شفقت ہے خون فشاں اختر شام کے لیے
 اختر صبح مضطرب تاب دوام کے لیے
 ہمراوا میں ترس گیا الطعن خرام کے لیے
 سوتول کونڈیوں کا شوق بحکایتیوں کا عشق
 حسن ازل کہ پردة لالہ و گل میں ہے نہان
 رازیجات پوچھے غفرنجستہ گام سے
 زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

لوائے غم

جس کی ہر لمحہ نغموں سے ہے بیرہنہ آغوش
 جس کے ہزار میں ہیں سیکڑوں نغموں کی ہزار

محترستان نوا کا ہے امیں جس کا سکوت اور منت کش ہنگامہ نہیں جس کا سکوت
 آہ! امیدِ محبت کی برآئی نہ کبھی
 پوٹِ مضراب کی اس مازنے کھاتی نہ کبھی
 ملڑ آئی بے نیمِ چمن طور کبھی سمتِ گردوں سے ہوا نے نظرِ حور کبھی
 چھپ رہستے سے دیتی بے مراتارِ حیات جس سے ہوتی ہے رہار وح گرفتارِ حیات
 نہ زیاس کی وصیعی سی صداقتی ہے اشک کے قافلوں کو بانگِ دراً ہفتی ہے
 جس طرح رفت شبتم بے مذاقِ م م سے
 میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غنم سے

عشرت امروز

زندگی کے کہہ کے اجل ہے پیامِ عیش و مرور
 فراقِ حور میں ہو غم سے ہمکنارِ نہ تو
 مجھے فندِ لفڑ ساقیِ جمیل نہ کر
 مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں
 شباب کے لیے موڑوں ترا پیام نہیں
 وہ عیش، عیش نہیں، جس کا انتظار رہے
 وہ حسن کیا کر جو محتاجِ چشمِ بینا ہو
 نمود کے لیے منت پذیرِ فتنہ ہو
 عجیب چیز ہے احساسِ زندگانی کا
 عقیدہ "عشرت امروز" ہے جوانی کا



الْسَّان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے!

انسان کو راز جو بنتا یا راز اس کی نگاہ سے چھپایا
بیتاب ہے ذوق آنکھی کا کھلتا نہیں بھید زندگی کا

حیرت آغاز و انتہا ہے

آئینے کے گھر میں اور کیا ہے!

ہے گرم حنفیم موچ دریا دریا سو کے بحر حبادہ پیما
باول کو ہوا اڑا رہی ہے شانوں پر اٹھائے گئے لا رہی ہے
نارے مست مثرا ب تقدیر زندانِ فدک میں پا پیدا بخیر
خوار شید، وہ عابد بحر خیز لانے والا پیام "بدر خیز"
مغرب کی پهاریوں میں چپ کر پیتا ہے مئے شفق کا ساغر
لدت گیر وجود ہر شے سرمست نے نوادرت شے
کوئی نہیں غمگسار انسان
کیا تھا ہے روزگار انسان!

جلوہ حُسن

پاست ہے جے آونٹش تجھل میں شباب
جلوہ حسن کہ ہے جس سے تمنا بیتاب
ایک افسانہ رنگیں ہے جوانی جس سے
ابدی بنتا ہے یہ عالم فانی جس سے
منظرا عالم حاضرے گریزاں ہونا
جو سکھانا ہے یہیں سر بحر جیساں ہونا

دور ہو جاتی ہے اور اک کی خامی جس سے عقل کرتی ہے تاثر کی غلامی حسپ سے
آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں؟
خاتم دہر میں یارب وہ نہیں ہے کہ نہیں؟

ایک شام

(دریاۓ نیکر (ہائیڈل برگ) کے کنارے پر)

خاموش ہے چاندنی قمر کی ش خیں ہیں خموش ہر شجر کی
کھسار کے سبز پوش خاموش وادی کے نواہروش خاموش
آنوش میں شب کے سوچنی ہے فطرت بیووش ہو گئی ہے
نیکر کا حنرام بھی سکون ہے کچھ ایسا سکوت کافروں ہے
تاروں کا خموش کارواں ہے یہ قافندہ بے درارواں ہے
خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا قدرت ہے مرابتے میں گویا
اے دل ا تو بھی خموش ہو جا
آنوش میں غم کوئے کے ہو جا

تہماقی

اگنم نہیں تیرے ہمنشیں کیا؟ تہماقی شب میں ہے حزیں کیا؟
خوابیدہ زمیں، جہان خاموش یہ رفت، آسمان خاموش
فطرت ہے تھم نسترن زار یہ چاند، یہ دشت و در، یہ کھسار
یعنی، ترے آذنوں کے تارے موئی خوش رنگ پیارے پیاسے

کس شے کی تجھے ہوں ہے ائے دل
قدرتِ تری ہم نفس ہے ائے دل!

پیامِ عشق

سُن اے طب گار درد پھلو! میں ناز ہوں تو نیاز ہو جا
میں غزنوی سو مناتِ دل کا ہوں تو سراپا ایا ز ہو جا
نہیں ہے وابستہ زیر گردوں بمالِ شانِ سکندری سے
تمامِ سماں ہے تیرے یعنی میں تو بھی آئی سند ساز ہو جا
غرض ہے پیکارِ زندگی سے کمالِ پائے ہلالِ تیرا
جہاں کافرِ فرضِ بت دیم ہے تو، ادا مثالِ نماز ہو جا
نہ ہو قضا عنتِ شعارِ گھچیں، اسی سے قائم ہے شانِ تیری
و فورِ محل ہے الگچن میں، تو اور دامنِ دراز ہو جا
گئے وہ ایام، اب زمانہ نہیں ہے محراجِ نورِ دیوں کا
جہاں میں نہ سد شمع سونماں میانِ محفلِ گداز ہو جا
وجودِ افراد کا محباڑی ہے، ہستیِ قوم ہے حقیقی
فدا ہو تلت پر، یعنی آلتِ زنِ ظلمِ محباڑ ہو جا
یہ ہند کے فرقہ سازِ اقبالِ آزری کر رہے ہیں جو کیا
بچا کے دامنِ بتوں سے اپنا غبارِ راہِ چاڑ ہو جا

فترق

تلشی گوشہِ عزلت میں پھر رہا ہوں میں یہاں پہاڑ کے دامن میں اچھا ہوں میں

شکستہ گیت میں چپوں کے دبیری ہے کمال دعا کے خداک لغفار آزمائی مثال
 ہے تخت بعل شفق پر جلوس اختر شام بہشت دیدہ بینا ہے حسن منظر شام
 سکوت شام جدائی ہوا بہاد مجھے
 کسی کی یاد نے سکھلا دیا تراز مجھے
 یہ کیفیت ہے مری جان ناشکیبا کی مری مثال ہے طفل صغیر تھسا کی
 انہی رات میں کتاب ہے وہ سرو داعاز صد اکاپنی سمجھتا ہے غیر کی آواز
 یونہیں میں دل کو پایم شیکھ دیتا ہوں
 شب فراق کو گویا فریب دیتا ہوں

عبد القادر کے نام

بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں
 اسی ہنگامے سے محفل تزوہ بالا کر دیں
 سنگ امر و زکو ایسٹہ فردا کر دیں
 پیش آمادہ تراز خون زیجنا کر دیں
 قطرہ شبینہم بے نایہ کو دریا کر دیں
 سب کو محور رخ سعدی دیلیمی کر دیں
 قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں
 جگہ شبیثہ و پیمانہ و میسنا کر دیں
 چیرکر سینہ اسے وقعت تماشا کر دیں

امکن کے ظلمت ہوئی پیدا اُفقِ حن اور پر
 ایک فریاد ہے مانند سینہ اپنی بساط
 اہل محفل کو دکھاریں اثر صیحت عشق
 جلوہ یوسف گم گشتہ دکھا کر ان کو
 اس چین کو سبقت آئین مخواہ دے کر
 رخت جاں بجلدہ چین سے اٹھالیں اپنا
 دیکھا یشرب میں ہوانا قدر لیسے ایکار
 پادہ دیرینہ ہوا اور گرم ہوا ایسا کہ گلزار
 گرم رکھتا تھا ہمیں سردی مغرب میں ہوانع

شمع کی طرح جنیں بزمِ حرام میں خود جلیں، دیدہ اعیف رکوبینا کر دیں
 ہرچہ در دل گزرد و قفت باناراد شمع
 سو ختن نیست جملے کہ نہان فاراد شمع

صفتِ لیلیہ

(جز بیرہ سسلی)

روے اب دل کھول کر اے بیدہ خونتا بارا
 تھا یہاں ہنگامہ ان صحرائشینوں کا کبھی
 بھر بازی کا ہ تھا جن کے سفینتوں کا گھم
 زلزے جن سے شنشا ہوں کے درباروں ہیں غصے
 بیکھوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
 اک جہاں تازہ کا پیغم تھا جن کا ظہور
 کھا کجئی عصرِ ہمن کو جن کی تیخ ناصبور
 مردہ عالم زندہ جن کی سورش قم سے ہوا
 آدمی آزاد زخمی سے تو ہم سے ہوا
 غلطلوں سے جس کے لذت گیراب تک گوش ہے
 کیا وہ تجیراب ہمیشہ کے لیے خاؤش ہے

آہ بے سسلی! مندر کی ہے تجھے سے ابرہ
 رہناگاں طرح اس پانی کے صحرائیں ہے تو
 زیب تیرے خال سے رشاردیا کو رہے
 تیری شموعوں سے تسلی، بھرپیپ کو رہے
 ہو سک جیشم مسافر پر ترا منظرِ مدام
 موج رقصان تیرے صالح کی چانوں پر ملام
 تو کبھی اس قوم کی تندیب کا گھوارہ تھا
 حسن عالم سوز جس کا آلت ش نظارہ تھا

نارکش شیراز کا مبلل ہوا بعن دا پر
 داعز رویا خون کے آنسو جان آباد پر
 آسمان نے دولتِ عزنا ط جب بر باد کی
 ابن بدروں کے دل ناشاد نے فریاد کی

غم نصیب اقبال کو بخشائیں ماقبل ترا
 چن یا تقدیر نے وہ دل کو تھام سرم ترا
 ہے توے آثار میں پوشیدہ کس کی داستان
 تیرے ساحل کی خوشی میں ہے انداز بیان
 درد اپنا مجھ سے کہہ بیس بھی سر اپا درد ہوں جس کی تونزل تھا، میں اس کا داں کی گوہ ہوں
 رہاں تصور کریں میں بھر کے دکھلادے مجھے قصہ ایام سلف کا کہہ کے تڑ پا دے مجھے
 میں ترا لمحہ سئے ہندوستان لے جاؤں گا
 خود بیان روتا ہوں اور ہوں کو دہاں لواؤں گا

غزلیات

زندگی انس کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں!
دم ہوا کی موج ہے، رم کے سوا کچھ بھی نہیں!
جل، تبسم کہہ رہا تھا زندگانی کو، م McGrath
شمع بولی، گری عینم کے سوا کچھ بھی نہیں!
رازِ حستی راز ہے جب تک کوئی حرم نہ ہو۔ محل گیا حبسِ دم، تو حرم کے سوا کچھ بھی نہیں!
زائرانِ کتبہ اقبال یہ پوچھے کوئی
کیا حسدِ دم کا تخفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں!

O
اکیِ عقلِ خبستہ پے کو ذرا سی دیو انجی سکھا دے
اسے ہے سودا کے بجھے کاری، بجھے سرپریز نہیں ہے
مل محبت کا سوزِ محبکو، تو یوںے صبحِ ازل فرشتے
مثالِ شمعِ مزار ہے تو، تری کوئی اجنب نہیں ہے

یہاں کہاں ہم نفس میتسر دیں ناٹشاہے اے دل
وہ چیز تو مانجا ہے مجھ سے کہ زیر چرخ کہن نہیں ہے
نرا لاسارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بننا چمارے حصارِ تخت کی اتحادِ وطن نہیں ہے
کہاں کا آنا، کہاں کا جانا، فریب ہے مستیاںِ عجیبی
نہود ہرشے میں ہے ہماری، کہیں ہمارا وطن نہیں ہے
مدیرِ مخزن سے کوئی اقبال جا کے میرا پیام کہہ رے
جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں، انھیں مطاقتِ بخوبیں ہے

○

زمانہ دیکھے چا جب مرے دل مے محشر اٹھے چا گفتگو کا
مری خوشی نہیں ہے، گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا
جو موج دریا لگی یہ کہنے سفرے قائم ہے شان میری
گھر یہ بولا صدفِ قشینی ہے محکوس سامان آبرو کا
ذہن طبیعت، ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سوتے
ہوا نہ سر بزرہ کے پانی میں عکس سرو کن رجو کا
گوئی دل ایسا نظر نہ آیا، نہ جس میں خواہیدہ ہوتا
الکی تیرا جہاں کیا ہے! انگار خانہ ہے آرزو کا!
کھلا میر کہ زندگی اپنی بھتی طالسم ہو سہ رپا
جسے سمجھتے تھے جسمِ خاکی، غبارِ خاکو تے آرزو کا
اگر کوئی شے نہیں ہے پہاں تو گیوں مرا پالا شیو میں
نگر کو نظارے کی تمنا ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا

چمن میں گاچھیں سے فنچہ کرتا تھا، اتنا بیدار کیوں ہے انسان؟
 ترے نہا ہوں میں ہے بتسم شکستہ ہونام کے سبھ کا
 ریاضِ ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوا پیدا
 حقیقتِ محل کو تو جو مجھے تو یہ بھی پیاس ہے رنج بوجا
 تمام مضمون مرے پرانے، کلامِ مسید اخطا سرا پا
 ہنز کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیش بھی میرے عجیب جو کا
 سپاس شرطِ ادیجے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
 ذرا سا اک دل دیا ہے وہ بھی فریب خودہ ہے اُرزو کا
 کمال وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوکِ نشرتے تو جو چھپرے
 لیقیں ہے مخلوق گھرے رُگِ محل سے قطر رانسال کے ہو کا
 چیز ہے تقلید کا زمانہ، مباز خت سفرِ اٹھائے
 ہوئی حقیقت ہی جب عیاں توکس کو بارا ہے گفتگو کا؛
 جو گھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوئے محض عزیز میر
 مثالِ گوہر دلن کی فرقہت کمال ہے میری آبرو کا!

○

چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں، مثرا رے میں
 چمک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں، تارے میں
 بند می آسمانوں میں، زمینوں میں تری پستی
 روانی، بھر میں، افت دل تیری کنارے میں

شریعت کیوں گمراہی باس گیر ہو ذوقِ تکلم کی
چھپا حب تا ہوں اپنے دل کا مطلب استخارے میں
جو ہے بیدار انہاں میں وہ گھری نیسند سوتا ہے
شجر میں، پھول میں، جیواں میں، پتھر میں، ستارے میں
مجھے پھونکا ہے سوز قطرہ اشکِ محبت نے
عذب کی آگ بھی پانی کے چھوٹے سے شراتے میں
نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزدِ مجدد کو
وہ سوداگر ہوں میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں
مکوں نا اشتراہنا اے سامانِ ہستی ہے
ترپ کس دل کی یاربِ چھپ کے آبیجھی ہے پاۓ میں
حداۓ لئن تماں مُن کے لئے اقبال میں جپ ہوں
تعاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقہ کے مارے میں

○
یوں تو لے بزم جہاں ادکنش تھے ہنچھے ترے ۔ اک ذرا افسردگی تیرے تماشاوں میں بھتی
پاچھی آسودگی کوئے محبت میں وہ خاک ۔ مدتوں آوارہ جو حکمت کے صحراؤں میں بھتی
کس قدر اے ۔ تجھے رسمِ حجاب آپنے پسند ۔ پر دھا انوکھے نخلی تو میساوں میں بھتی
حسن کی تاثیر پر غالب نہ آ سکت تھا علم ۔ اتنی نادانی جہاں کے سارے داناؤں میں بھتی
میں نے اے اقبال ایورپ میں اے فھوٹڈا عجٹ
بات جو ہندوستان کے ماہ سیماوں میں بھتی

○
مثال پر نوئے، طوفِ جام کرتے ہیں ۔ بیوی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں ।

خوصیت نہیں کچھ اس میں اے لکھم اتری
 شجر، حبہ بھی خدا سے کلام کرتے میں
 ستم کش تپش ناتام کرتے میں
 نیا جہاں کوئی اے شمع اڈھونٹیے کہ بیان
 بھلی ہے ہم نفسو! اس عین میں خاموشی
 کر خوشنواوں کو پابند دام کرتے میں
 غرض نشاط ہے شغل شرابے جن کی
 حلال چیز کو جو یا حرام کرتے میں
 بھلا بھے گی تری، ہم سے کیونکرائے اعظماً
 کہ ہم تو تم محبت کو علام کرتے میں
 اکی سستے پیران خرقہ پوش میں کیا!
 کہ اک نظر سے جوانوں کو رام کرتے میں
 جو گھر کو پھونک کے دینا میں نام کرتے میں
 میں ان کی محفل عشرت کے کانپ چاتا ہوں
 ہرے رہو وطن ما زانی کے مسید انوا
 جماز پر سے تمحیں، ہم سلام کرتے میں
 جو بے نماز کبھی پڑھتے میں نماز اقبال
 بلا کے دیر سے بھجو کو امام کرتے میں

مارچ ۱۹۰۴ء

زمانہ آیا ہے بے جا بی کا، عام دیدا بریاں ہو گا
 سکوت تھا پر وہ دار حبس کا وہ رازاب اشکار ہو گا
 گزر گیا اب وہ دور ساتی کر چکے پتے تھے پینے ولے
 بنے گا سارا جس ان بیخانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے، وہ بیتوں میں پھرا بسیں گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی، مکر نیا خار زار ہو گا
 سُنا دیا گو شِ منظر کو جماز کی خاشی نے آخر
 جو عہد صھرا بیتوں سے باندھا گیا تھا پھر استخوار ہو گا

نخل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو والٹ دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
 کیا مر اتنے کرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی الجن میں
 تو پیر میخانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے، خوار ہو گا
 دیارِ مفرز کے رہنے والو! خدا کی سبتوں دکان نہیں ہے!
 کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زبر کم عینا رہو گا!
 مختاری تندیب اپنے خیز سے آپ ہی خود کشی کر کے گئی
 جو شاخ نازک پا آشیانہ بنے گا، ناپا یدار ہو گا
 سفیہ بُرگِ محل بنائے گافتِ فلہ مورِ نالتوں کا
 ہزار موجودوں کی ہوکٹ کش، مسحیہ دریا سے پار ہو گا
 چین میں لا لد کھاتا پھرتا ہے داع غ اپنا لکلی لکلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
 جو ایک بخا اے نجاح! تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کے اعتبار ہو گا؛
 کہا جو قمری سے میں نے ایک دن، بیان کے آزاد پا ہوں ہیں!
 تو غنچے کرنے لگے، ہمارے چین کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندہ ہے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل! اگناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو بیان بے قرار ہو گا

میں خلدت شب میں لے کے نکلوں اپنے دراندہ کاروان کو
شرفات ہو گی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہو گا
نہیں ہے غیر از نمود چھبی جو مدعا تیری زندگی کا
تو اک نفس میں جہاں سے مٹا بجھے مثالِ شردار ہو گا
نہ پوچھا اقبال کا ٹھکانہ، ابھی وہی کیفیت کے اس کی
کہیں سر را گزار بیٹھا سترم کشِ انتظار ہو گا

حصہ سوم

(شماره ۱۹۰۸)

حصہ تاسوم

پلا دِ اسلامیہ

سرزیں ولی کی موجود دل غم دیدہ ہے
 فرے ذرے میں نہوا سلاف کا خواہیہ ہے
 پاک اس اجرے ٹھکنائی کی نہ ہو کیونکہ زمین
 خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سرزیں
 سوتے میں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار
 نظمِ عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار
 دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیِ محفل کی طاد
 جل چکا حاصل، مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد
 ہے زیارتِ کاہِ مسلم گو جہاں آباد بھی
 اس کرامت کا مجرح حق دار ہے بشداد بھی
 یہ چون دیہے کہ تھا جس کے لیے سامان ناز
 لالہِ صمرا، جسے کہتے ہیں تندیبِ جیاز
 خاک اس نبستی کی ہو کیونکہ نہ ہمدوش ارم
 جس نے دینکے جانشینان پیغمبر کے قدم
 جس کے غنچے تھے چون سلام وہ ٹھکن ہے بھی
 کاپتا تھا جس سے ردماء ان کا مدفن ہے بھی!

بے زمین قرطیہ بھی دیدہ مسلم کا نور
خلمتِ مغرب میں جو روشن بھی مثل شمع طور
بجھ کے بزمِ ملت، بیضا پریشان کر گئی
اور دیا تہذیب حاضر کا فروناں کر گئی
قبر اس تہذیب کی یہ رزیں پاک ہے
جس تک گھنٹش بورپ کی رُگ مناک ہے

خطۂ قسطنطینیہ، یعنی قیصر کا دیار
حمدیہ امت کی سلطوت کا نشان پایہ دار
صورتِ خاکِ حرم یہ سرزیں بھی پاک ہے
آستانِ مسندِ ائمۂ شہرِ ولادک ہے
تہذیبِ محل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی جزا
تہذیبِ ایوب انصاری سے آتی ہے صرا
لے مسلمان ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہزاد
سیکڑوں صدیوں کی کشت و خون کا صلہ یہ شہزاد

وہ زمیں ہے تو، مگر اے خواب کا مصطفیٰ؟
دید ہے کبھی کو تیری جو اکسمبر کے سوا
خاتمہ سنتی میں تو تاباں ہے مانندِ نجیں
اپنی عظمت کی ولادت کا ہاں بھی تیری زمیں
جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی
تجھیں راحتِ اس شہنشاہِ معظوم کو ملی
نامِ یوسا جس کے شاہنشاہِ عالم کے ہوئے
بے اگر قومیتِ اسلام پا بستے قوم
ہند ہی بینا دے سے اس کی نہ فارسِ ہمنشام
آہ! یثرب! دلیں بے مسلم کا تو ماؤی ہے تو
نقظہ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جب تک باقی ہے تو دنیا میں، باقی ہم بھی ہیں
صحیح ہے تو اس چین میں گوہر شیخن بھی ہیں

ستارہ

قر کا خوف کہے خطرۂ سحر تھا کو
مالِ حسن کی یا مل گئی خبر تھجھ کو؟
منبعِ نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تھجھ کو
ہے کیا ہراس فنا صورتِ شر تھجھ کو؟

زیں سے دور دیا آسمان نے گھر جو کو مثال ماہ اڑھائی قبائلے زر جو کو
غضبت پھر تری خنثی سی جان ڈرتی ہے
تمام رات تری کا پنتے گزر تی ہے

چکنے والے مسافرِ عجب یہ لستی ہے جو اوج ایک کا ہے دوسراے کی لستی ہے
اجل ہے لاکھوں تاروں کی اک لادوت مر فنا کی فیند نے زندگی کی مستی ہے
دوایعِ فتح میں ہے رازِ آفرینشِ گل عدم، عدم ہے، کہ آئینہ دار ہتھی ہے
سکونِ محال ہے قدرت کے کارخانے میں!
شباث ایک تغیر کو ہے زمانے میں!

دوستاں کے

آئے جو قران میں دوستاں کہنے لگا ایک دوسراے سے
یہ دصلِ مدام ہو تو کیا خوب انجامِ خرام ہو تو کیا خوب
محتوڑا سا جو نہ بان فلک ہو
ہم دونوں کی ایک ہی چمپک ہو
لیکن یہ دصل کی مت پیغامِ فنداقِ بھتی سراپا
گردش تاروں کا ہے مقدار ہر ایک کی راہ ہے مفتر
ہے خوابِ شباث اُشتہانی
آئین جسماں کا ہے جملہ!

گورستانِ شہادتی

پچھے مکدر سا جبین ماه کا آئیستہ ہے
آسمان بادل کا پینے خرقہ دیرینہ ہے
چاندنی پھیکی ہے اس نظارہ خاموشیں میں
سبھ صادق سورہ ہی ہے رات کی آنونش میں
کس قدر اشجار کی حیرت فراز ہے خامشی
بر بطری قدرت کی دھیمی سی نواہے خامشی
باطن ہر فردہ عالم سرپا درد ہے

اور خاموشی لب ہستی پر آہ سرد ہے

اوہ جولانگاہ عالمگیر، یعنی وہ حصار
دوش پر اپتنے اٹھائے سینکڑوں صدیوں کا در
زندگی سے تھا کبھی معحوڑا بسنان ہے یخموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے
اپنے سکان کمن کی خاک کا دلدادہ ہے
کوہ کے سر پر مثال پاسباں استادہ ہے

ابر کے روزن سے وہ بالائے باہم آسمان ناظر عالم ہے بخم سبز فام آسمان
خاکبازی و سعوت دینا کا ہے منظر اسے داستان ناکامی انسان کی ہے از برائے
ہے ازل سے یہ مسافر سوئے منزل جارہا آسمان سے انقلابوں کا تماشہ دیکھنا
گوسکوں مکن نہیں عالم میں اختر کے لیے فاتح خوانی کوی ٹھہرا ہے دم بھر کیلے
رہنم آب زندگی سے گل بدامن ہے زمیں سینکڑوں خون گشتہ تہذیبوں کا مدفن ہے زمیں

دیدہ عبرت! خراج اٹک ٹکلوں کرادا خواب گشا ہوں گی ہے یہ منزل حیرت فرا
آہ! اک بُرگشتہ قمرت قوم کا سرمایہ ہے ہے تو گورستان، مگر یہ خاک گزوں پایہ ہے
جنیش مژگاں سے ہے چشم تماشا کو خذر مقروں کی شان حیرت آفرین ہے اس قدر

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
جو اتر سکتی نہیں آئیسا تحریر میں

سوئے ہیں خاموش، آبادی کے ہنگاموں کے دو مضطرب بھتی ہی جن کو آرزوئے ناصبور
قرکی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک جن کے دروازوں پر رہتا تھا جیسیں ستر فلک
کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا ماں جن کی تدبیر جمابری سے ڈرتا تھا زوال
عبد غفوری ہو دنیا میں، کشان قیصری ٹل نہیں سکتی غنیمہ موت کی یورش کبھی

پادشاہوں کی بھی کشت عمر کا حامل ہے گور
جادہ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

شودش بزم طرب کیا، عود کی تقدیر کیا! درد مندان جہاں کا نالہ سبکیر کیا!
عصفہ پیکار میں، ہنگامہ شمشیر کیا! خون کو گرمانے والا لصرہ تکبیر کیا!
اب کوئی آواز سوتوں کو جھا سکتی نہیں

سینہ دیراں میں جان رفتہ اسکتی نہیں

روح مشت خاک میں محنت کش بیدار ہے کوچھ گردئے ہوا جس دم نفس، فریاد ہے
زندگی انساں کی ہے ماند مرغِ خوش نوا شاخ پر بیٹھا کوئی دم پاچھا یا، اڑا گیا
اہ! کیا اسے ریاضِ دہر میں ہم، کیا گئے! زندگی کی شاخ سے پھوٹے، کھلے مجاھے!
موت ہرشاہ دلگا کے خواب کی تعبیر ہے
اس تنگ کا ستمِ انصاف کی تصویر ہے

سلد، ہستی کا ہے اک بھرنا پسید اگنار اور اس دریائے بے پایاں کی موجیں ہیں مژا
لے ہوں انخوں روکد ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا تسم، یہ خس آتش سوار
چاند جو صورت گر ہستی کا اک اعجاز ہے
پسندے سماں بقا محو حنڈام ناز ہے
بیکسی اس کی کوئی دیکھے ذرا و قلت بھر
چرخ بے الجم کی دہشتگاں سوت میں بھر

اک ذرا سا ابر کا نگدا ہے، جو دستاب تھا
آخری آنسو پیک جانے میں ہوجس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے اعتبار رنجھائے رفتہ کی تصویر ہے ان کی بھار
اس زیاد خانے میں کوئی ملت گردوں وقار
رہ نہیں سکتی اب تک بار دو شروزگار
دیکھتا ہے اعتنائی سے ہے خواجہ جمال
اس قدر قوموں کی بر بادی سے ہے خواجہ جمال
ایک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرار
ذوقِ حسدت سے ہے ترکیبِ مزاج و زکار
ہے نجین دہر کی زینت ہمیشہ نام نو

مادر بیتی رہی آبستن اقوام نوا

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ رہ گزر
چشم کوہ لوزنے دیکھے ہیں گئے تاجرا
معروہ بابل مش گئے باقی نشان تک بھی نہیں
دفترِ ہتھی میں ان کی داستان تک بھی نہیں
عظیمتِ یوتان درومالوٹ لی ایام نے
آدمیا مہر ایران کو حبل کی شام نے
آہ! مسلم بھی زمانے سے یونہی خصت ہے
آسمان سے ابر آزاری اٹھا، برسا، گیا

کوئی سورج کی کرن شبتم میں ہے الجھی ہوتی
کس قدر پیاراللہ جو هر کانفڑا ہے
خچپر گل کے لیے باوہمار آئی ہے
چشم انساں کے نہار پتوں کے عزلت خانے میں
جس کے دمے نہ ہے گویا ہوانے گلتاں
خاتمة قدرت کی کبی شوخ یہ تحریر ہے
وادی کسار میں نعرے شبانزادوں ہیں
موت میں بھی زندگانی کی تریپ ستور ہے
ہے رج گل صحیح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
سینہ دریا شاعروں کے لیے گھواڑ ہے
خوزینت ہے صنوبر جو بار آئیں نہ ہے
نعرہ زن رہتی ہے کوئی باع کے کاشاذیں
اور ببل مہربِ ریشیں نوا کے گلتاں
عشق کے ہنچا میوں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے
باع میں خاموش جلے گلتاں زادوں کے ہیں
زندگی سے یہ پرانا حنا کداں معمور ہے

پیاں بچوں کی گرتی ہیں خزار میں اس طرح دست طلقِ خفتے سے رنجیں جس ح
اس نشاطِ آباد میں گو عیش بے انداز ہے
ایک عنم، یعنی عمرِ ملتِ ہمیدہ تازہ ہے

دل ہمارے یادِ عمدہ رفتہ سے خالی نہیں
اشکباری کے بھانے ہیں یا جھٹے بام و در
دہر کو دیتے ہیں موئی دیدہ گریاں کے ہم
یہ ابھی صدھاگھر اس اور کی آغوش میں
دادیِ گل خاکِ محکوم بنا سکتا ہے یہ
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں
گریہ پیغم سے بنائے ہماری چشم تر
آخری بادل ہیں اک گزر ہوئے طوفان کے ہم
برقِ ابھی باقی ہے اس کے سینز خاموش ہیں
خواب سے امیدِ دہخان کو جھاک سکتے ہے یہ
ہو چکا کو قوم کی شانِ حبلاں کا ظہور
بے محل باقی ابھی شانِ حبلاں کا ظہور

نہودِ حج

صبح، یعنی دخترِ دو شیزہ لیل و منار
ہور، ہی پے نیزِ دامانِ افق سے اشکار
پا چکا فرست درودِ فضلِ الجم سے پھر
آسمان نے آمیدِ خودِ شید کی پا کمر خبر
شعلِ مخور شید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے
ہے موں الجم سحر، جیسے عبادتِ خلنے سے
کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
مطلعِ خور شید میں مضمیر ہے یوں مضمون صبح
ہے تِ دامان بادِ اختلاف اطیانِ نیگر صبح

چاہے کوئی کی اذاد سے طاہران نغمہ سخ
ہے ترجمہ ریز فتنوں سحر کا تار تار

تضمین پر شعر اندسی شاملو

محبت میں بے منزل سے بھی خوش رجاء پہل
یسرے ہے جہاں فرمان در دن اشکی بائی
زبان ہونے کو حقیقت منت پذیر تاب کوئی
شکایت تجوہ سے ہے اے تارک آئین آبائی
کیلیں میں تو ہیں اب تک وہی انداز لیا تی
زمانے بھر کی رسوائی سے تری فطرت کی بڑائی
کنشتی ساز، محمور نواہا کے کلیسیاں
ہوتی ہے تربیت آغوش بیت اللہ میں تیری
دل شوریدہ ہے لیکن صنم خانے کا سودا تی

”وفاً أَمْوَاتِي إِذْنَا، بِكَارِدِيجْرَانِ كَرْدَى
رِبُودَى كُوہرَے اِذْمَاثَارِ دِيجْرَانِ كَرْدَى“

فلسفہ عزم

(میاں فضل حسین صاحب بیر سٹرائیٹ لا۔ لا۔ ہو رکے نام)

گو سرا پاکیف عشت ہے شراب زندگی اشک بھی رکھتا ہے دامن میں سحاب نہ دگی
موج غم پر رقص کرتا ہے جباب زندگی ہے الہوا کا سورہ بھی جزو کتاب زندگی
ایک پتی اگر کم ہوت تو وہ گل ہی نہیں
جو خزان نادیدہ ہو بلبل، وہ بلبل ہی نہیں

ہمیشہ صورت پا دھکر ادارہ رہتا ہوں
دل بیتاب جا پسخاد دیا پر پیر سخیر میں
ابھی نا آشنا کے بہ تھا حرف اُرزوہ میرا
یہ مرقدے صد آنی ”حرم کے ہیزے والوں کو
تراءے قیس ایکو نجھ ہو گیا سوز دروں ٹھنڈا؛
ذخیرم لَإِلَهٌ تَبَرِّي زمین شور سے بچوٹا
تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری زندگی کیا ہے
ہوتی ہے تربیت آغوش بیت اللہ میں تیری
دل شوریدہ ہے لیکن صنم خانے کا سودا تی

ارزو حون سے رہ ہے د ۱

اسایت ہیں عیر زفاف
روح کو سامان زینت آہ کا ایتھے ہے
دیدہ بینا میں داع غم چراغِ نیز ہے
حادثاتِ غم سے ہے انساں کی فطرت کو کمال
غم جوانی کو جھاڈیتا ہے لطفِ خواب سے
ٹاہر دل کے لیے غم شہپر پرداز ہے
غم نہیں غم، روح کا کل غم خاموش ہے
راز ہے انساں کا دل، غم انکشافِ راز ہے
جو سر و در بربطِ تھی سے ہم آخوش ہے

شام جس کی آشنا رے نالہ یار بانیں
جلوہ پیرا جس کی شب میں اٹک کو کنیں
جس کا جامِ دل شکستِ غم سے بے نا آشنا
جو سامتِ شراب عیش و عشرت ہی رہا
ما تھو جس پھیں کا ہے مخنوظانوں کے خارے
عشق جس کا یخبر ہے بھر کے آزارے
لکھفتِ غم کرچا اس کے وزو شب کے دوہے
زندگی کا راز اس کی آٹھے ستوا ہے
لے کہ نظمِ دہر کا ادراک ہے حاصل تھے
کیوں نہ آس ہو غم و اندوہ کی منزل تھے

عقل انسانی ہے خانی، زندگا جاوید عشق
ہے ابد کے سخت دیرینز کی تمہیہ عشق
عقل انسانی ہے خانی، زندگا جاوید عشق
عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے
عشق کے خود شید سے شامِ اجل شرمندہ ہے
رخصتِ محبوب کا مقصد فت اہوتا اگر
جوشِ الغت بھی دلِ عاشق سے کر جاتا منظر
عشق کچھ محبوب کے مرنے سے مر جاتا نہیں
روح میں غم بن کے رہتا ہے مجرجا تانیں
ہے بقاءِ عشق سے پیدا بقا محبوب کی
زندگانی ہے عدم نا آشنا محبوب کی

آئی ہے ندی جبین کو وے کھاتی ہوئی
آسمان کے طاروں کو غم سکھلاتی ہوئی
آئی ہے دشن سے اس کا صورتِ خسار جو
گر کے وادی کی چنانوں پر یہ ہو جاتا ہے جو
نہ چو بھی اس کے گوہر پیارے پیارے بن گئے
یعنی اس افتادے سے پانی کے تالے بن گئے

جسے سیما بروں پھٹ کر پریشان ہو گئی
مضطرب بوندوں کی اک نیامنیاں ہو گئی
دو قدم پر پھر دہی جو مثل تاریم ہے
بھر ان قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے
اک اصلیت میں ہے نہ روان زندگی
لپتی عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم
عارضی فرقت کو دامن جان کر دتے ہیں ہم
مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جہا ہوتے نہیں
عقل جس دہر کی آفات میں محصور ہو
یا جوانی کی اندر ہیری رات میں مستور ہو
راہ کی ظلمت سے ہوشیل سوتے منزل سفر
دامن دل بن گیا ہور زم کا ہ خیر و شر
خفہ ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشہ گیر
وادی هستی میں کوئی ہم سفر نہ ہو
جادہ دکھلانے کو جھوٹ کا شر تک بھی نہ ہو
مرنے والوں کی جیسی روشن ہے اس ظلمتی
جس طرح تارے چلتے ہیں اندر ہیری رات میں

پھول کا تحفہ عطا ہونے پر

کلی کلی کی زبان سے دعا نکلتی ہے
 کلی سے رشک گل آفتاب مجھ کو کرے
 تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقبہ ترے
 تری جیات کا جو ہر کسال تک پہنچا
 مر اکنول کے تصدیق ہیں جس پر اہل نظر
 کبھی یہ پھول ہم آخوندش مدعائے ہوا
 دہ مست ناز جو گلشن میں جانلختی ہے
 اُنہی پھولوں میں وہ انتساب مجھ کو کرے
 تجھے وہ شاخ سے توڑیں! نہیں تھے
 انھا کے صدمہ فرقہ وصال تک پہنچا
 مرے شباب کے گلشن کو ناز ہے جس پر
 کسی کے دامنِ رنجیں سے آشنا نہ ہوا
 شکفتہ کرنے سے کی کبھی بھارا سے
 فسردہ رکھتا ہے کچھیں کا انتظار اسے

تراتہ ملی

سلم ہیں، ہم وطن ہے سارا جہاں ملا
 آس انہیں مٹا نام و نشان ہمارا
 ہم اس کے پاس باں ہیں، وہ پاساں ہمارا
 خیر حلال کا ہے قومی نشان ہمارا
 مختنا ن تھا کسی سے سیل روای ہمارا
 سورا رکر چکا ہے تو امتحان ہمارا

چین و عرب ہمارا، ہست و ستان ہمارا
 توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
 دنیا کے بجلوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
 تیغوں کے سارے میں ہم پہل کر جوان ہوئے ہیں
 مغرب کی وادیوں میں گونجی اذان ہماری
 باطل سے بنتے والے لے آسمان نہیں ہم

اے گھاستانِ انڈس اوہ دن ہیں یادِ جگو
بھاتیری ڈالیوں میں جب آشیانِ جلا
اے موچِ دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اب تک ہے تیرادر یا افسانہ خواں جلا
اے ارضِ پاک ایرتی حرمت پکٹ مریم
ہے خوش تری رگوں میں اب تک وہ ان جلا
سالارِ کاروان ہے میرِ حبت باز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جان جلا
اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیسا پھر کاروان جلا

وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصویر کے)

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور ساقی نے بنائی رکش لطف و حم اور
مسلم نے بھی تعیر کیا اپنا حرم اور تہذیب کے آزاد نے ترشوں کے صنم اور
ان تازہ خداوں میں بُرا سبے وطن ہے
جو پیر ہن اس کا ہے وہ مذہب کا کعن ہے
یہ بت کر تراشیدہ تہذیب نوی ہے غارت گر کا شاذ دین نبوی ہے
بازو ترا تو حید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دلیں ہے تو مصطفوی ہے
نظراء دیر سینہ زمانے کو دھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بہت کو ملادے

ہو قیدِ مقامی تو نیجہ ہے تباہی رو بحد میں آزاد وطن صورتِ باہی
ہے ترکِ وطن سُنتِ محبوبِ الہی دے تو بھی بتوت کی صداقت پر گواہی

کفارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ بُوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوامِ جہاں میں ہے رقباتِ توایی سے نتیجہ ہے مقصودِ تجارت توایی سے
خال ہے صداقتِ سیاست توایی سے کمزور کا لکھر پوتا ہے عمارتِ توایی سے
اقوام میں محنڈوق خدا بُتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کُٹتی ہے اس سے

اکیح حاجی میدنے کے راستے میں

اس بیابان، یعنی بھرخشک کا ساحل ہے دو ر
تافلہ لوٹا گیا صحرائیں، اور منزل ہے دور
نچے گئے جو، ہو کے بیدل سوئے بیت اللہ پر
ہم رضی میرے شکارِ دشنه رہیزن ہوئے
موت کے زہرب میں یائی ہے اس نزدیکی!
خجھر رہیزن اسے گویا ہلال عسید تھا
خوف کھتا ہے کہ میرب کی طرف تباہی
پے زیارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا کیا؟
خوف جاں رکھنا نہیں کچھ دشت پہما جا جاز
گوسلامتِ محلِ شامی کی ہمراہی میں ہے
آہ! یہ عقلِ زیابِ اندیش کیا چالاک ہے!
اوتنا شر آدمی کا کس قمرِ بیباک ہے!

قطعہ

کل ایک شوریدہ خواب کا ہبھی پروردہ کے کہہ رہا تھا
 کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے ملت سارے ہیں!
 یہ زائرانِ حرم مغرب ہزار رہبہ بنیں ہمارے
 ہمیں بھلاں سے واسطگیا جو بچھے سے ناشاہے ہیں!
 غصب ہیں یہ مرشدانِ خود ہیں "خدا تری قوم کو بچائے!
 بھاڑ کرتیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنارہے ہیں
 نے گا اقبال کون ان کو یہ انجمن ہی بدلت گئی ہے
 نے زمانے میں آپ ہم کو پڑانی باتیں سُوارہے ہیں

شکوہ

کیوں زیان کاربنوں سود فراموش رہوں ؟ فکرِ فردانہ کروں ، محو غم دوش رہوں
 نالے مبلل کے سنوں اور ہمدرن گوش رہوں ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں ک خاموش رہوں
 جرأت آموز مری تاب سخن بے بجھ کو
 شکوہ اللہ سے "خاکم بدہن" ہے مجھ کو
 ہے بجا شیوه تسلیم میں مشورہ ہیں ہم فقصہ در دستانتے میں کہ مجبور ہیں ہم
 نال آتا ہے اگر لب پر تو معدود ہیں ہم سازِ خاموش ہیں، فریاد سے معمور ہیں ہم

اے خدا! شکوہ اربابِ دنیا بھی سن لے
خونگرِ حس سے تھوڑا سا جگل بھی سن لے

بھی تو موجود اذل سے ہی تری ذاتِ قدیم پھول تھا زیرِ چمن، پر نہ پریشان تھی شیم
شرطِ انصاف ہے صاحبِ الطافِ گیم بونے کل پھیلتی کس طرح جو ہوتی رہ نہیں
ہم کو جمیعتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ اُنت ترے مجبوب کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجائب تیرے جہاں کا منظر کہیں سبودتھے پتھر، کہیں معبد و شجر
خونگر پسیکر محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پتھر کوئی آن دیکھئے جسنا کو کیوں نہ کرہ
بجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا
توت بازوئے نسلم نے کیا کام ترا!

بس سبھے تھے یہیں سلوق بھی، توانی بھی اہلِ چین میں، ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی اسی دنیا میں یہودی بھی تھے، انگریز بھی
پر ترے نام پر تکوار اٹھائی کس نے؟
بات جو بھروسی ہوئی تھی، وہ بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آزادی میں! خشکیوں میں لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے گلیساوں میں کبھی افریقا کے پتتے ہوئے محاروں میں
شان آنکھوں میں نہ چھتی تھی جہانداروں کی
لکھر پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تکاروں کی

ہم جو جیتے تھے، تو جگلوں کی میمت کیے اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی نہ کچھ تبع زنی اپنی حکومت کے لیے مر بحق پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے؟

قوم اپنی جوزرو مال جہاں پر مرتی
 بت فروشنی کے عومن بت شکنی کیوں کرتی
 مل نسکتے تھے، اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے پاؤں شیروں کے بھی بیداں سے لکھاڑتے
 بچھے سے مرکش ہوا کوئی، تو بچھوڑ جاتے تھے تنے کیا چیز ہے؟ ہم تو پکے لڑ جاتے تھے
 لفتش توحید کا ہر دل میں بٹھایا ہم نے
 ندیر خجرا بھی یہ سپینام سنایا ہم نے
 تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درخیر گرس نے شہر قبیر کا جو تھا اس کو سر کیا کس نے؟
 توڑے مخلوقی خداوند دل کے پیکر گرس نے کاٹ کر رکھ دیے گفار کے لشکر گرس نے؟
 کس نے ٹھنڈا اکیا آشکدہ ایراد کو؟
 کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزاداں کو؟
 کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوتی؟ اور تیرے لیے رحمت کش پیکار ہوتی؟
 کس کی شمشیر جما تجیر، جما ندار ہوتی؟ کس کی تجیرے دنیا تری بیدار ہوتی؟
 کس کی ہبیت کے صنم سے ہوتے ہیتے تھے
 من کے بل گر کے ہُوا اللہ مأخذ کتے تھے
 ایک عین لڑائی میں اگر وقت نہ مانے فیروزہ ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم جماز
 ایک ہی صفت میں کھڑے ہو گئے محمد ولیا نہ کوئی بستہ رہا اور نہ کوئی بستہ نواز
 بندہ و صاحب و محتاج و عجیب ایک ہوئے
 تیری سرکار میں پسپنے تو سبھی ایک ہوئے
 محفل کون و مکاں میں سخوشام پھرے نے توحید کوئے کر صفت جام پھرے
 کوہ میں دشت میں لے کر زرا اپیانام پھرے اور معلوم ہے تھوڑ کو کبھی ناکام پھرے

دشت تو دشت ہیں دیا بھی نہ پوٹے ہم نے
بھر خلماں میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

صفحہ دہرے باطل کو مٹایا ہم نے نور انسان کو غلامی سے چھپا را ہم نے
تیرے کبے کو جیلوں سے بسایا ہم نے تیرے قرآن کو سینوں سے لکھایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلاہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں، تو بھی تو دلدار نہیں!
امتنیں اور بھی ہیں، ان میں گھنٹا ر بھی ہیں عجروالے بھی ہیں، مت کے پنڈا بھی ہیں
ان میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں، ہشیار بھی ہیں سیکڑوں ہیں کرتے نام سے بیڑا بھی ہیں
رحمتیں ہیں ترمی اعیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بہت صنم خانوں میں کھتے ہیں مسلمان گئے ہے خوشی ان کو کہ کبے کے تھبان گئے
منزل دہرے اوثوں کے حدی خان گئے اپنی بندوں میں دیاتے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے، احساس بجھے ہے کہ نہیں؟
اپنی توجیہ کا کچھ پاس بجھے ہے کہ نہیں؟
پیر شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معموسہ نہیں محفل میں جنھیں بات بھی کرنے کا شکوہ
قرت تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور اور بے چارے مسلمان کو فقط وعدہ جو
اب وہ اطاف نہیں، ہم پہ عنیات نہیں؟
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کبھی مسلمانوں میں ہے دولت دنیانیا ب تیری قدرت تو ہے وہ جس کی حکایت حدا
تجو چاہے تو سیزہ صحر سے جا ب رہو دشت ہو سیل زدہ موج مریب

طعن ایخاری ہے، رسولی بے ناداری ہے
 کیا ترے نام پر نے کا عوض خواری ہے
 بنی ایخار کی اب چاہئے والی دنیا رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
 ہم تو خصت ہوئے اور دن نے سنبھالی دنیا پھر نہ کہتا ہوئی توجید سے خالی دنیا
 ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تر انام رہے
 کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ ہے جام ہے
 تبری محفل بھی گئی پھاہئے والے بھی گئے شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
 دل بخھے درے بھی گئے اپنا صدرے بھی گئے اکے بیٹھے بھی نہ لختے اور نکالے بھی گئے
 آئے عشق، گئے وعدہ فرشہ اے کر
 اب انھیں ڈھونڈ چڑا زخم زیبا لے کر
 دردیلی بھی دہی، قیس کا پہلو بھی ہی بند کے دشتم جبل میں رام آہو بھی ہی
 عشق کا دل بھی دہی حسن کا جادو بھی ہی امت احمد مرسل بھی دہی، تو بھی دہی
 پھر یہ آزدگی غیر سبب کیا معنی؟
 اپنے شیداءوں پر یہ چشم غضب کیا معنی؟
 تجھ کو چھوڑا کہ رسول عسری کو چھوڑا بُت گری پیش کیا؟ بُت شکنی کو چھوڑا
 عشق کو، عشق کی آشنا میری کو چھوڑا رسم سلان دادیں قرنی کو چھوڑا
 آگ تجھر کی سینوں میں دلبی رکھتے ہیں!
 زندگی مثل بلال جبشی رکھتے ہیں!
 عشق کی خبر، وہ پہلی سی ادا بھی نہ سی جادہ پیساقی تسلیم درضا بھی نہ سی
 مفترب دل صفت قبل نہ با بھی نہ سی اور پابندی آئیں دفا بھی نہ سی

کبھی ہم سے، کبھی غیروں سے شناسائی ہے

ہات کرنے کی نہیں تو وہی توہر جباری ہے

سیر فاراں پر کیا دین کو کامل تو نے اک اشارے میں ہزاروں کے لیدل تو نے
آتش اندو زکی عشق کا حاصل تو نے پھونک دی گرمی رخسار سے محفل قونز

آج کیوں سینے ہمارے تشر آباد نہیں

ہم وہی سوختہ سماں ہیں، مجھے یاد نہیں

واہی نجدیں وہ شور سلاسل نہ رہا فیس دیوانہ نظر ارہ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے، ہم نہیں ہے دل نہ رہا کھریا جڑا ہے کہ تو رونق محفل نہ رہا
اے خوش آں روز کر آئی والبنداز آئی

بے جباڈ سوئے محفل ما باز آئی

باد کش ٹیکر ہیں چمٹن میں اب جو بیٹھے سنتے ہیں جام بھفت نفرہ کو کو بیٹھے
دور ہنگامہ لکھارے یک سو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر ہو ہو بیٹھے
اپنے پروانوں کو پھر ڈوقی خود افڑو دی
برق دیریز کو فرمان جسکر سوزی دے

قوم آذارہ عنان تابک پھر سوئے جیاز لے اڑا بیل بے پر کو مذاق پرواز
مضطرب باغ کے ہر غصے میں سے بکوئے نیاز توڑا چھپڑ تو دے، تشنہ مظاہب ہے ساز
نخے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے
ٹو مرضطرب ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے

مشکلیں اُمتِ مرحوم کی اساس کر دے سوربے مایہ کو ہمدوش سیمہاں کر دے
جنں نایاب مجتہد کو پھر ارزان کر دے ہند کے دریشیوں کو سلام کر دے

جوئے خوں می حپکدا زسرت دیریہ ما

می سپہ نالہ پر نشتر کدہ سینہ ما

بھئے گلے لئی بسیرون چمن رازِ چمن کیا قیامت ہے کہ خود پھول بیں غنازِ چمن
حمدِ گل ختم ہوا، توٹ گیسا زِ چمن اُرگی ڈالیوں سے زمزمه پر دا زِ چمن

ایک ببل ہے کہ ہے محظی تر غم اب تک

اس کے سینے میں ہے نعمتوں کا نامامِ بک

قریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں پیاس پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں

وہ پرانی روشنیں باع کی دیراں بھی ہوئیں ڈالیاں پیر ہن برگ سے عریاں بھی ہوئیں

قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی

کاوش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مرا جینے میں کچھ ہر اے تویی خون جسکر پینے میں

کتنے بیتاب ہیں جو ہمرے آئینے میں کس قدر جلوے ترپتے ہیں لکھنے میں

اس گھستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں

داعِ نجیینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اس ببل تھا کی نواے دل ہوں جانے والے اسی بانگ دراے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نے عہدِ وفاے دل ہوں پھر اسی بادہ دیرینہ کے پیاے دل ہوں

بھی ہم ہے تو کیا، مے تو جازی ہے مری

لغہ ہندی ہے تو کیا، مے تو جازی ہے مری

چاند

اے چاند احسن تیراظر کی ابڑو ہے
یداع ساجو تیرے سینے میں بے نمایاں
عاشق ہے تو کسی کا ؟ یداع آرزو ہے ؟
میں مصطفیٰ زمیں پر بنتا ب تو فلک پر
جسکو بھی جستجو ہے، مجکو بھی جستجو ہے
اساں ہے شمع جس کی، محفل وہی ہے تیری
میں جس طرف رواں ہوں منزل وہی سمجھتی

تو دھونڈتا ہے جس کوتاروں کی خامشی میں
پوشیدہ ہے وہ شاید نوغانے زندگی میں
استادہ سرد میں ہے بہرہ میں سورہا ہے
بلبل میں نغمہ زن ہے خاموش ہے کلی میں
آمیں تجھے دکھاوں رخسار روشن اس کا
نہروں کے آئینے میں بشتم کی اُرسی میں
صحرا و دشت و در میں کھسار میں وہی ہے
اساں کے دل میں تیرے رخسار میں وہی ہے

رات اور شاعر

۱

رات

کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پرثیا^۲
خاموش صورت بگل، مانند بُو پریشان
تاروں کے موئیوں کا شاید ہے جو ہری تو
مچھلی ہے کوئی میرے دریائے نور کی تو
یا تو مری جسیں کاتارا گرا ہوا ہے
رفعت کو پچھوڑ کر جو پستی میں جا بسا،

خاموش ہو گیا ہے تاربا ب مہستی
ہے میرے آئے میں تصویر خواب مہستی
دریا کی تھیں چشم گرداب سو گئی ہے ساحل سے لکھ کے موج بیتاب سو گئی ہے
بستی زمیں کی کیسی ہستگاہ افریں ہے یوں سو گئی ہے جیسے آباد ہی نہیں ہے
شاعر کا دل ہے لیکن ناشناشکوں سے
آزاد رہ گیا تو کیون تم رے فنوں سے؟

۲

شاعر

چھپ کے انسانوں سے مانند ہمدرد تاہوں
میں ترے چاند کی گھنی میں گھر بوتا ہوں
عزالت شب میں مرے اشک میک جاتے ہیں
دن کی شورش میں نکلتے ہوئے مشرماتے ہیں
تپش شوق کا نقش کارہ دکھاؤں کس کو؟
مجھ بیس فریاد جو پہنماں ہے سناوں کس کو؟
برق ایمن مرے سیدنے پڑی روئی ہے
تپش شمعِ بعد مردہ ہے محفل میری
آہ! اے رات بُڑی دور ہے منزل میری
عہد حاضر کی ہوار اس نہیں ہے اس کو
دیکھنے والی ہے جو آنکھ، کہاں سوتی ہے؟
ضبط پین مِ مجنت سے جو جھرا تاہوں
صفتِ شمعِ بعد مردہ ہے محفل میری
اپنے نقشان کا احساس نہیں ہے اس کو
تیرے تابندہ ستاروں کو سنا جانا ہوں

بزمِ انجوم

طشت افق سے لے کر لالے کے چھوٹے
سورج نے جاتے جاتے ستم سیہے قبا کو
قدرت نے اپنے گھنے چاندی کے سب سے
پہندا یا شفق نے سونے کا سارا زیور

محل میں خاٹشی کے لیلائے نظمت آئی چمکے عروس شبکے وہ موئی پیارے پیارے
 وہ دور رہنے والے ہنگامہ جہاں سے کھاتا ہے جن کو انسان اپنی زبان میں تاری
 محظی فلک فروزی بھتی الجبن فلک کی
 عرش بریں سے آئی آہا ناک هلاک کی

اے شبکے پاس بانواۓ انسان کے تاروا تایبندہ قوم ساری گردوں نشین تھاری
 چھیر و سرود ایسا، جاہ اٹھیں سوزے والے رہبر ہے قافلوں کی تاجب جبیں تھاری
 آئینے قسمتوں کے تم کو یہ جانتے ہیں شاید سنیں صدایں اہل زمین تھاری
 رخصت ہوئی خوشی تاروں بھری فضائے

وسعت بھتی آسمان کی محمود اس نواسے

چمن ازل ہے پیدا تاروں کی دلبی میں جس طرح عکسِ گل ہو شبنم کی آرسی میں
 منزل بھی کھن ہے قوموں کی زندگی میں آئیں نو سے ڈرنا، طرزِ کمن پر اڑنا
 یہ کاروانِ مستی ہے تیز کام ایسا
 آنکھوں سے پیں ہماری خاتمہ براں اخجم
 اک عمر میں نسبجھے اس کو زمین والے جوبات پا گئے ہم بخوبی سی زندگی میں
 پیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
 پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

سیر فلک

تھا تجھیں جو ہم سفر میرا آسمان پر ہوا گزر میرا
 اڑتا جاتا، اور نہ تھا کوئی جانتے والا چند خپر میرا

تارے حیرت میں دیکھتے تھے مجھے رازِ سربتہ خا سفر میرا
 حلقة، صبح و شام سے نکلا
 اس پر انے نظام سے نکلا

کی سناؤں تمھیں ارم کیا ہے خاتم آرزوئے دیدہ و گوش
 شاخ طوبی پر نغمہ ریز طیور
 ساقیانِ جمیل جام بدست
 دورِ جنت سے آنکھ نے دیکھا
 طابع قفیں و گیسوئے لمیلی
 خنک ایسا کہ جس سے شرما کر
 میں نے پوچھی جو گیفت اس کی
 یہ مقامِ خنک جہنم ہے
 شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے
 اہلِ دنیا ایسا جو آتے ہیں
 اپنے انکار سا نکلا نے ہیں

نصیحت

عاملِ روزہ ہے تو، اور نہ پابندِ نماز
 دل میں لدن کی ہوس، لج ترے کر جزا
 تیر اندازِ تسلق بھی سراپا اعجاز
 فکرِ روشن ہے ترا موجدِ آئینِ نیاز

میں نے اقبال سے از راہِ نصیحت یہ کہا
 تو بھی ہے شیوه اربابِ ریاض میں کامل
 بھوٹ بھی مصلحتِ آمیز تراہوتا ہے
 ختم تقریر تری مدحتِ مرکار ہے

پالی بھی تری پیچیدہ تراز زلف ایا
 پرداہ خدمت دیں میں ہو س جاہ کاراز
 اثر و عظاء سے ہوتی ہے طبیعت بھی گزار
 پھرینا فرض ہے جن پر تری تشریک ساز
 تیری میانے سخن میں ہے شراب تیزاز
 تجھ کو لازم ہے کہ ہوا نہ کے شریک گفتاز
 غم صیاد نہیں اور پردہ بال بھی ہیں

در حکام بھی ہے تجھو معتمد محمود
 اور لوگوں کی طرح تو بھی چھپا سکتا ہے
 اظر آجاتا ہے مسجد میں بھی تو عید کے دن
 دست پر درود تے ملک کے اجراء بھی ہیں
 اس پر طرہ ہے کہ تو شعر بھی کہ سکتا ہے
 جتنے اوصاف ہیں لیڈر کے وہ ہیں تجویزی
 پھر سب بیسا ہے نہیں تجھ کو دماغ چرواز

”عاقبت منزل ما وادی خموشان است“

حالیا غلشنہ در گنبد اغلک انداز“

رام

سفلی میں خطہ مغرب کے رام ہند
 رفتہ میں آسمان سے بھی اوپنیا ہام ہند
 مشور جن کے دم سے پئے نیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہن دستان کونا ز
 اب نظر بھتے ہیں اس کو امام ہند
 اجائز اس چڑاع ہمایت کا ہے بھی روش تراز سحر ہے زمانے میں شام ہند
 تلوار کا دصني تھا، شجاعت میں فرخنا
 پاکیزگی میں، جوش محبت میں فرخنا

مُورُٹ

کیسی پتے کی بات جگنڈ نے کل کھی
مودڑ ہے ذوالفقار علی خان کا کیا خوش

ہنگامہ آفریں نہیں اس کا خرام ناز
مانند برق تیر، مثال ہوا خوش

میں نے کہا نہیں ہے یہ مودڑ پر منحصر
ہے جادہ حیات میں ہر تیر پا خوش

ہے پاشکستہ شیوه فریاد سے جرس
نکھلت کا کارروائ ہے مثال صبا خوش

ینا مدام شورش قفل سے پا چل
لیکن مزاجِ جامِ حسرام اتنا خوش
شاعر کے نکر کو پر پرواز خاشی
سرایہ دار گرمی آدا ز خاشی

الْسَّان

منظرِ حیات کے زیبا ہوں کہ نازِ بیبا
محروم عملِ زرگس، محبورِ تماشہ ہے!

رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو
فطرت ہی صنوبر کی محروم تمنا ہے!

تسلیم کی خوگر ہے جو چیز ہے دنیا میں
 انسان کی ہر قوت، سرگرم تعاضا ہے
 اس ذرہ کو رہتی ہے و معنت کی ہو کہ بڑم
 یہ ذرہ نہیں، شاید سمعت ہوا صحراء ہے
 چاہے تو بدل ڈالے ہیدت چنتاں کی
 یہ سہستی دانا ہے، بینا ہے، تو انہے

خطاب جوانانِ اسلام

وہ کیا گردوں تھا، توجہ کا ہے اک ٹپکپو آتا را؟
 کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج بردا را
 وہ صحرائے عرب یعنی شریبانوں کا گھورا
 باب رنگ خالِ خط چلت روئے زیبارا
 کہ منعم کو گدا کے ڈر سے نخشش کا نہ تھا یارا
 جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں با
 میر ترے تجھیں سے فزوں تر ہے وہ نظارا
 کر تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا
 شریا سے زمیں پر اسماں نے ہم کو دے مارا
 نہیں دنیا کے آئینِ مسلم کے کوئی چارا

کبھی اے نوجوانِ سلم اند بھی کیا تو نے؟
 تجھے اس قوم نے پالبے آغوشِ محبت میں
 تمدن آفریں خلاقِ آئینِ جہادِ داری
 سماں الْفَقْرُ وَ الْخُرُبُ کارہاشانِ امداد میں
 گدائی میں بھی وہ اللہ والی تجھے عبور اتنے
 عرض میں کیا کہوں تجھے سے کہ وہ محرثشین کیانے
 اگر چاہوں تو نقشِ کھنچ کر الفاظ میں رکھوں
 تجھے آبائے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
 گناہ دی ہم نے جو اسلاف سے جو میراپائی
 حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی

مگر وہ علم کے موقعیت میں اپنے آبا کی جو بھی ہیں ان کو پورپ میں تعدل ہوتا ہے ملپارا
 ”غئی روز سیاہ پیر کنفال راتناشکن
 کرنو بردیدہ اش روشن گند چشم زینمارا“

غرة شوال

(یا)

ہلال عید

غرة شوال! اے نورِ نگاہِ روزہ دار!
 تیری پیشانی پر تحریر پیام عید ہے
 سرگزشت مت بیضا کا تو آئیں ہے
 جس علم کے سارے میں تین آزمائتے تھے ہم
 تیری قدرت میں، ہم انخوشی اسی روایت گی
 آشنا پر دربے قوم اپنی، دقا آئیں ترا
 اوج گردوں سے ذرا دنسا کی بستی دیکھے!
 اپنی رفتہ ہے ہمارے ٹھر کی پستی دیکھے!

قابلے دیکھو، اور ان کی برقِ فتاری بھی دیکھو
 اے تھی ساغرا ہماری آج ناداری بھی دیکھو
 اپنی آزادی بھی دیکھو، ان کی گرفتاری بھی دیکھو
 بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھو

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر
بارش سنگ حادث کامشاٹی بھی ہو
ہاں، تملق پیشگ دیکھ آبرو والوں کی تو
جس کو ہم نے آشنا طفت تلکم سے کیا
ساز عشرت کی صدمغز بکایوانوں میں سن
چاک کر دی ترک نادان نے خلافت کی قبا

صورت آئینہ سب کچھ دیکھ، اور خاموش رہ
شورش امروز میں مخوس دد دو ش رہ

شمع اور شاعر

(فروری ۱۹۱۶ء)

شاعر

دوش می گفتم پر شمع منزل دیران خویش
 گیسوئے تو از پر پر وان دار دشائمه
 در جہاں مثل چراغ لالہ صحراستم
 نے نصیبِ محظی، نے قسمت کاشائمه
 متے ہاند تو من ہم نفس می سوختم
 در طوافتِ شعلہ ام بلے نہ زد پرواہ
 می طپسہ صد جلوہ در جانِ اہل فرسود من
 بر نی خیزد ازیں محفلِ دلِ دیوانہ

از کھب ایں آتشِ عالم فرزانہ و ختنی
 کر کہ بے مایہ را سوزِ کلیم آموختی

شمع

مجھ کو جو موجِ نفس دیتی ہے پیغامِ حبل
 ب اسی موجِ نفس سے بے نوا پیرا ترا

میں تو جلتی ہوں کہ ہے مغممر میری فکر تین سو ز
 تو فروزان ہے کہ پر دانوں کو ہو سودا ترا
 گریے سامان میں، کہ میرے دل میں ہے طوفانِ انک
 شب نم افشاں تو، کہ بزمِ محل میں ہو حپر چاترا
 محل بدانن ہے میری شب کے لہو سے میری صبح
 ہے ترے امروز سے نا آشنا فسادا ترا
 سلوں تو روشن ہے، مگر سوزِ دروں رکھتا نہیں
 شعلہ ہے مثلِ حضراعِ لامِ محمد ا ترا
 سوچ تو دل میں لعتب ساقی کا ہے زیبائچے؟
 انجمن پیاسی ہے اور پیسانہ بے صہبا ترا
 اور ہے تیرا شخار، آئین ملت اور بے
 زشت روئی سے تری آئیں ہے رسو ا ترا
 کعبہ پہلو میں ہے، اور سودا نی تھانہ ہے
 کس فتدر شوریدہ میرے شوق بے پروا ترا
 قیس پسیدا ہوں تری محل میں یہ ممکن نہیں
 ننگ ہے صحراء، محل ہے بے یللا ترا
 اے دُر تابندہ! اے پروردہ! آخوندش موجود!
 لذتِ طوفان سے ہے نا آشنا دریا ترا
 اب نوا پیرا ہے کیا؟ ٹکشنا ہوا برمہم ترا!
 بے محل تیسرا تر تم، نغمہ بے موسم ترا

تھا جنہیں ذوقِ تماش، وہ تو رخصت ہو گئے
 لے کے اب تو وعدہ دیدارِ عام آیا تو کیا
 انہیں سے وہ پرانے شعلہ آشامِ اٹھ گئے
 ساقیا! محل میں تو آتش بجام آیا تو کیا
 آه! جب گھشن کی جمعیت پر لیشاں ہو چکی
 پھول کو باد بہاری کا پیام آیا تو کیا
 آخرِ شہب دید کے قابلِ حقِ بسل کی ترب
 صحمد کوئی اگر بالائے ہام آیا تو کیا
 بخھر گیا وہ شد جو مقصود ہر پروانہ تھا
 اب کوئی سوداگر سوزِ متام آیا تو کیا
 پھول بے پرواہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
 کاروں بے حس ہے، آوازِ درا ہو یا نہ ہو
 شمعِ محل ہو کے تو جب سوز سے خالی
 تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیٹھائے رہے
 رشتهِ الفت میں جب ان کو پروگستھا تھا
 پھر پریشاں کیوں تری تیبع کے دائے رہے؟
 شوق بے پرواگی، فنکرِ نلک پیماگیں
 تیری محل میں نہ دیوانے، نہ فرزانے رہے
 وہ جسکر سوزی نہیں، وہ شعلہ آشامی نہیں
 فائدہ پھر کیا جو گرد شمع پروانے رہے؟
 خیر تو ساتھی سی، لیکن پلاٹے گا کے؟
 اب نہ وہ میکش رہے باقی، نہ میخانے رہے!

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوتی میسنا کے
کل تک گردش میں جس ساقی کے پیٹا ہے
آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنون پر درجہ
رقص میں لسیلا رہی، لیلا کے دیوانے رہے

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ نیاں جاتا رہا

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد دیرانے کجھی
شہران کے مٹت گئے، آبادیاں بن ہو گئیں
سطوتِ توحیدِ قائمِ جن نمازوں سے ہوتی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں
دہر میں عیشِ دوامِ آئیں کی پابندی کے
موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں
خود تجستی کو تمٹا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نھاہیں نا امیسہ نورِ این ہو گئیں
اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلندیں گلزار میں
دل میں کیا آئی کہ پابندِ شیون ہو گئیں
و سعثِ گردوں میں بھتی ان کی تڑپِ نظارہ سوہہ
بجلیاں اسودہ دامانِ حشر من ہو گئیں
دیدہ خوب رہو منت کش گلزار ہو گئیں
اشکِ پیم سے نھاہیں محلِ بدان ہو گئیں

شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صحیح تیرہ
ظمت شب میں نظر آئی کرن امید کی

مزدہ اے پیمانہ بردارِ خستانِ حباز!
بعد مدت کے ترے ندوں کو پھر آیا ہے ہوش
نفتِ خودداری پہاتے باوہ اغیار ہتھی
پھر دگاں تیسری ہے بربز صدر نے ناؤ نوش
ٹوٹنے کو ہے ظسم ماه سیما یان ہمند
پھر سلیمانی کی نظر دیتی ہے پیغامِ خروش
پھر یہ عنوان ہے کہ لاساقی شرابِ خانہ ساز
دل کے ہنگامے نے مغرب نے کردا لے خوش
نغمہ پیرا ہو، کہ یہ پہنچاںِ حن موشی نہیں
ہے سحر کا آسمانِ خورشید سے میا بدوس
در غمِ دیکھ بسو ز و دیکھاں را هشم بسو ز
گفتلت روشنِ حدیثے، گرتوانی دارِ گوش
کہہ گئے یہ شاعری جزویت از پیغمبری
ہاں سنا دے محفلِ ملت کو پینامِ مرعش!

آنکھ کو بسیدا کر دے وعدہ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوز جو ہر گفتار سے
رہن رہت ہوا ذوقِ تن اسافی ترا
بحرِ خاصہ میں، گاشن میں مش جو ہوا

اپنی اصلیت پر فتاوم تھا، تو جمیعت بھی بھتی
چھوڑ گر جمل کو پریشان کارروان بلو ہوا
زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اصرار جیات
یہ کبھی گوہر، کبھی شبہم، کبھی آنسو ہوا
پھر کمیں سے اس کو پیدا کر، بڑی دولت ہے یہ
زندگی کیسی جو دل بسیگاہ پسلو ہوا
آبرو باقی تری ملت کی جمیعت سے بھتی
جب یہ جمیعت لگئی، دنیا میں رسولو ہوا

فرد قائمِ ربطِ ملت سے ہے متنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں، اور بیشن دریا کچھ نہیں
پردہ دل میں مجت کو ابھی مستور رکھ
یعنی اپنی نے کو رسوا صورت مینا زرکھ
خجھ زن ہو وادی سینا میں مانندِ کلیم
شعلہ تحقیق کو غارت گر کاشنا کر
شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجام ستم
حرف تغیرِ محسر خاکستر پرواد کر
تو اگر خوددار ہے منت کش ساقی نہ ہو
عین دریا میں جا ب آسانچوں پیمانہ کر
کیفیت باقی پرانے کوہ دھمرا میں نہیں
ہے جنوں تیرسا نیا، پسیدا نیا ویرانہ کر

چاک میں تجکو معتدر نے ملایا ہے اگر
 تو عصا افتاد سے پسید امثال داند کر
 ہاں! اسی شاخ کمن پر پھر بنائے آشیاں
 اہل گھرشن کو شنید نغمہ مستانہ کر
 اس چمن میں پسید و بیل ہو یا تکید گل
 یا سراپا نالہ میں جا، یا نوا پسیدانہ کر

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رم شبنم ہے تو؟
 لب کشا ہو جاسرو و بربطِ عالم ہے تو؟
 آشنا اپنی حقیقت سے ہوا سے دہقان! فدا!
 دانہ تو، کھینتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو
 آہ! اس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
 راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو
 کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے کیا
 ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، حاصل بھی تو
 دیکھ آگر کوچھ چاک گریساں میں کبھی!
 قیس تو، نیلا بھی تو، صحراء بھی تو، محل بھی تو
 ولکے نادانی! کہ تو محستاج ساقی ہو یا
 سے بھی تو، بینا بھی تو، ساقی بھی تو، محل بھی تو
 شعلہ بن کر پھونک دے خاشک عزیز اللہ کو
 خود، باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو

یہ بھر! تو جو هبہ آئیستہ ایام ہے
تو زمانے میں حند اکا آخری پیغام ہے!

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے، لیکن مثال بھر بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتار طسمِ مج معتمداری ہے تو
دیکھ تو پوچھ شیدہ بجھ میں شوکت طفان بھی ہے
سینہ ہے تیرا میں اس کے پیام ناز کا
جو نظام دہر میں پیدا بھی ہے، پہنماں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہو تسبیح بے سع و فنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سامان بھی ہے!
اب تک شاہ ہے جس پر کوہ فاراں کا حکومت
اے تنافل پیشہ الجبل کو یاد وہ پیمان بھی ہے
تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
درنہ لکاشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے!
دل کی کیفیت ہے پسیدا پردہ تقریر میں
کسوٹ بینا میں نے مستور بھی عرباں بھلے ہے
پھونک ڈالا ہے مری آتش نوازی نے مجھے
ادرمیسری زندگانی کا یہی سامان بھی ہے
راز اس آتش نوازی کا مرے سینے میں دیکھا
جلوہ تقدیر میرے دل کے آئئے میں دیکھا

آسمان ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
 اور ظلمت رات کی سیماں پا ہو جائے گی
 اس فتدر ہو گی ترجم آفسریں باد بھار
 نجت خوابیہ نفع کی نوا ہو جائے گی
 آمیں ہے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
 بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی
 شب نم افتابی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
 اس چمن کی ہر کی دد آشنا ہو جائے گی
 دیکھ لو گے سطوت رفتار دریا کا مال
 موجِ مضر، ہی اے زنجیر پا ہو جائے گی
 پھر دلوں کو یاد آجائے گا پینام بجود
 پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
 نالہ صیاد سے ہوں گے نواساں طیو
 خون کا چیں سے محلی رنگیں قبا ہو جائے گی
 آنحضر جو کچھ دیکھتی ہے، لب پا اسکا نہیں
 محوجرت ہوں کہ دینا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریز ان ہو گی آخر حبلوہ خورشید سے
 یہ چمن معمور ہو گا نفس تو حبید سے

صلیم

(جون ۱۹۱۲ء)

ہر نفسِ اقبال تیرا آہ میں مستور ہے
 سینہ سوزاں ترا فریاد سے معنوئے
 نعمہ امید تیری بربطِ دل میں نہیں
 ہم سمجھتے یہں یہ لیلا تیرے محل ہی نہیں
 گھوش آہا ز سر و درفتہ کا جو یاترا
 اور دل ہستہ گامہ حاضر سے بے پرواڑا
 قصہِ محل ہم نوایاں چمن سنتے نہیں
 اہلِ محفل تیرا پیعتِ مم کمن سنتے نہیں
 اے درائے کاروانِ خفته پا خاموش رہ
 ہے بہت یاس آفریں تیری صدا، خاموش ہے
 زندہ پھروہ محفلِ دیرِ سینہ ہو سکتی نہیں
 شمع سے روشن شبِ دو شینہ ہو سکتی نہیں

ہم شیں اسلام ہوں میں تو جیکا حال ہو لیں
 اس صفات پر اذل سے شاہدِ عادل ہوں میں
 بعض موجودات میں پیدا حمارت اس کے ہے
 اور اسلام کے تجھیں میں جبارت اس کے ہے
 حق نے علمِ صفات کے لیے پیدا کیا
 اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
 دہر میں غارتِ گر باطل پرستی میں ہوا
 حق تو یہ ہے حافظِ ناموسِ ہستی میں ہوا
 میری ہستی پیر ہن عربیانِ عالم کی ہے
 اور میں جانے سے رسولِ بی بی آدم کی ہے
 قسمتِ عالم کا اسلام کو کب تابند ہے
 جس کی تابانی سے افسونِ بحر شرمند ہے
 آشکارا میں مری آنکھوں پا سارِ حیات
 کہہ نہیں سکتے مجھے نومید پیکارِ حیات
 کب دڑا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے
 ہے بھروسہ اپنی ملت کے مقدار پر مجھے
 فتحِ کامل کی خبر دیتا ہے جوشِ کارزار

ہاں بیوچ ہے، چشم بِ عَمَدَ کمن رہتا ہوں میں اہل محل سے پرانی داستان کہتا ہوں گیں
 یادِ محمد رفتہ میری خاک کو اکیرہ ہے میرا ہنی میرے استقبال کی تفیر ہے
 سامنے رکھتا ہوں اس دوڑت طافر اکوبیں
 دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فرد اکوبیں

حضورِ سالم اپ میں

گراں جو مجھ پر یہ نکامت زمانہ ہوا جمال سے باندھ کے رخت سفرہ انہوں
 قیودِ تم و سحر میں بستروں کی لیکن نظامِ کائن عالم سے آشنا نہ ہوا
 فرشتے بزم رسالت میں لے گئے محبکو
 حضور آئی رحمت میں لے گئے محبو

کہ حضور نے اے عندلیب باعِ حجاز کلی کلی ہے تری گرمی نواے گداز
 ہمیشہ سرخوش جامِ لالہ بے دل تیرا فتادگی ہے تری یخیزت بجود نیاز
 اڑا جو پستی دینا ہے تو سوئے گروں سکھاتی بچھو کو ملاںک نے رفت پرماز
 نکل کے باعِ جماں سے برنج باؤ یا
 ہمارے واسطے کیا تحفے لے کے تو آیا؟

حضورِ را دہر میں اسودگی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
 ہزاروں لالہ دھلی ہیں ریاضتی میں وفا کی جس میں ہو بلو، وہ کلی نہیں ملتی
 جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابس کے شبیدوں کا ہے نواس میں”

شفاخانہ حجاز

اک پیشوائے قوم نے اقبال سے کہا
کھلنے کو جدہ میں ہے شفاخانہ حجاز
ہوتا ہے تیری خاک کا ہر ذرہ بے قرار
ستنا ہے تو گسی سے جوانا نہ حجاز
درست جنوں کو اپنے بڑھا جیب کی طرف
مشور تو جہاں میں ہے دلوان نہ حجاز
دار اشفا حوالی بلطماں میں چاہیے
نبضِ مریضِ پختہ علیٰ میں چاہیے

میں نے کہا کہ موت کے پردے میں ہی چلت
پوشیدہ جس طرح ہو حقیقتِ مجاز میں
تمخا پر اجل میں جو عاشق کو مل گی
پایا نہ خفر نے نے عمر دراز میں
اور دوں کو دیں حضور یہ پئیں م زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمینِ ججاز میں
آئے میں آپ لے کے شفا کا پایا گیا؟
رکھتے میں اہل درد سیحائے کام گیا؟

جواب کوہ

دل سے جوبات نکلتی ہے اثرِ رکھتی ہے پر نہیں، طاقت پروازِ مجر رکھتی ہے قدسی الاصل ہے رفت پر نظر رکھتی ہے خاک سے اٹھتی ہے گردوں پر گز رکھتی ہے عشق تھافتہ گرد مرکش و چالاک مرآ آسمان چیر گیا نالہ بیساک مرآ

پیر گردوں نے کہاں کے بکیں ہے کوئی! بولے سیارے سر عرش بریں ہے کوئی! چاند کہتا تھا، نہیں اہل زمیں ہے کوئی! کہکشاں کہتی تھی پوشیدہ بیہیں ہے کوئی! پکھڑ جو سمجھا مرے شکوے تو توڑھوں سمجھا مجھے جنت سے نکلا ہوا ناس سمجھا!

تحی فرشتوں کو بھی حیرت کر یہ آواز ہے کیا! عرشِ والوں پر بھی کھلتا نہیں یہ از ہے کیا! تامس عرش بھی انساں کی تنگ تازہ ہے کیا! آجی خاک کی چلکی کو بھی پروانہ ہے کیا!

غافل آداب سے شکان زمیں کیسے ہیں!
شوخ دُستاخ یہ پستی کے میکن کیسے ہیں!

اس قدر شوخ کر اللہ سے بھی برہم ہے تھا جو مسحود ملائک یہ دہی ادم ہے
عالم کیست ہے، دانائے رموز کم ہے ہاں، مجر مجر کے اسرار سے ناخرم ہے
تازہ ہے طاقتِ لفثار پرانا نوں کو
بات کرنے کا سیقہ نہیں ناداون کو!

آں آوازِ غمِ انجیز ہے افسانہ ترا اٹک بیتاب سے لبریز ہے پیاں ترا
 آسمان گیسہ ہوا نعرہ مستانہ ترا کس قدر شوخِ زبان ہے دلِ دیوانہ ترا!
 شکرِ شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے
 ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے
 ہم تو مامل بکرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہِ دکھلائیں کے؟ رہرو منزل ہی نہیں
 تربیتِ عام تو ہے، جو ہر قابل ہی نہیں جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گل ہی نہیں
 کوئی قابل ہو تو ہمِ شان کئی دیتے ہیں
 ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں
 ہاتھیے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں امتی یا عاشِ رسوائی پیغمبر ہیں
 بت شکن انٹھ گئے، باقی تجھے بُت گئیں تھا بر اہمیت پورا، اور پسر آزر ہیں
 بادہ آشام نتے، بادہ نیما، خم بھی نتے
 حرمِ کعبہ نیما، بت بھی نتے تم بھی نتے
 وہ بھی دن تھے کہ یہی ماہِ رعنی تھا نادشِ موسمِ محلِ لازمِ صحرائی تھا
 جو مسلمان تھا اللہ کا سوداگار تھا کبھی محبوبِ محارمایہ ہر جانی تھا
 کسی یحیٰ کے اب عہدِ غلامی کرو
 ملتِ احمدِ مرسل کو معتمدی کرو
 کس قدر تم پر گرانِ صبح کی بیداری ہے! ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں فیزِ تمدن یا رکھے
 طبعِ آزاد پر قیسِ رمضان بھاری ہے تمھیں کہہ دو یہی آئین دفادری ہے
 قومِ مذہب ہے مذہبِ جو نہیں، تم بھی نہیں
 جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجام بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں اسکو وہ خرم نہم ہو
نیہیں جس کو پرداز نہیں، تم ہو
تسبیح کھاتے ہیں جو اسلام کے درف نہم ہو
ہو تحویل نام جو قبروں کی بخارت کر کے

کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے؟

صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟ ذرع ان کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جینوں کیا کس نے؟ میرے قرآن کو سینوں سے لکھایا کس نے؟
تھے تو آبا وہ مجھا سے ہی، مسح تم کیا ہو؟

ہاتھ پر ہاتھ دھرے مستظر فرد ہو!

کیا کہا؟ بھرپور ہے فقط وعدہ حور شکوہ یجا بھی کمرے کوئی توازن ہے شورا
عدل ہے فاطر ہستی کا ازال سے دستور مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور
تم میں حوروں کا کوئی چلپتے والا نہیں
حبلوہ طور تو موجود ہے موکی ہی نہیں

منفعت ایک اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، زیمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات لختی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!

کیا زمانے میں پنپنے کی بی بی ذاتیں ہیں؟

کون ہے تارک آئین رسولِ محنت؟ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا میعاد؟
کس کی آنکھوں میں سما یا ہے شمار ایفا؟ ہو گئی کس کی نکاح طرزِ علف سے یہ زار؟

قلب میں سوز نہیں، روح میں احسان نہیں

کچھ بھی پیغامِ محمد کا تمھیں پا نہیں!

جائے ہوتے میں مساجد میں صوف آ را، تو غریب زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوا را، تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب پر دہ رکھتا ہے اگر کوئی تھا را، تو غریب
امرا نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ بے ملت بیضا عزیزا کے دم سے
واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی برق طبعی نہ رہی، شعلہ معتال نہ رہی
وہ کمی رسم اذان، روحِ بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غفران نہ رہی
مسجدیں مرشی خوان ہیں کہ نمازی نہ ہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ ہے
شوہر ہے ہو گئے دنیا میں مسلمان نا بود ہم یہ سکتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہو تو مسلمان ہیں؛ جنہیں دیکھ کر تھے ملائیں ہیو
یوں تو سید بھی ہو، مرا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سمجھی کچھ ہو، بت ا تو مسلمان بھی ہو
دم تقریر یقینی مسلم کی صداقت پیدا ک اعد اس کا تھا قوی، لوثِ مراعات سے پاک
شجرِ فطرتِ مسلم تھا جیسا نہ تاک تھا شجاعت میں وہ اک هستی فوق الادا ک
خود گدازی نہ کیفیتِ صہبائیش بود
حال از خویش شدن صورت میں اش بود
ہر مسلمان رُگ باطل کے لیے نشر تھا اس کے آئینہ هستی میں عمل جو ہر تھا
جو بھروساتھا اسے قوتِ باز و پر تھا بے تھیں ہوت کا ڈڑا اس کو خدا کا ڈر تھا
پاپ کا علم نہ بیٹھے کو اگر از بر ہو
پھر پرفتابل میراث پدر کو نہ کرو

ہر کوئی مست نے ذوقِ قن آسانی ہے تم مسلمان ہو؛ یہ اندازِ مسلمان ہے
 جیدری فقر بھائی نے دولتِ عثمانی ہے تم کو اسلام سے کیا نسبتِ روحانی ہے
 وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
 اور تم خوار ہوتے تارکِ فتنہ آں ہو کر
 تم ہوا پس میں غضبناک وہ اپس میں حیم تم خطا کار و خطابیں وہ خطاب پوشِ کریم
 چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ شریا پرستیم پہلے دیسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم
 تنختم ففخور بھی ان کا تھا، سر بر کے بھی
 یوں بھی باتیں ہیں کہ تم میں وہ محبت ہے، بھی

خودگشی شیوهِ تھارا، وہ جنور و خوددار تمِ اخوت سے گریزان، وہ اخوت پر نثار
 تم ہو گھٹ رسرپاپ، وہ سرپاکر دار تم ترستے ہو گلی کو، وہ گھستانِ بخار
 اب تک یاد ہے قوموں کو حکایتِ ان کی
 نقش ہے صفحہِ ہستی پر صداقتِ ان کی

مثلِ الجم افتی قوم پر روشن بھی ہوتے بت ہندی کی محبت میں بڑھن بھی ہو
 شوق پر واڑ میں جھوٹِ شیعین بھی ہوئے بے عمل تھے ہی جوان دین سے بذریعہ
 ان کو تھدیب نے ہر بندے کے آزاد کیا
 لاس کے کعبے سے صنمِ خانے میں آباد کیا۔

قیسِ رحمت کشِ تھنائیِ صحرا نہ رہے شہر کی کھاتے ہوا، بادیہ پیمانہ ہے
 وہ تو دلیوانہ ہے، سبتو میں رہے یا زہ ہے یہ ضروری ہے، حجابِ رُخِ لیلانہ ہے
 گلہ، جو رنہ ہو، شکوہ بسیدا دنہ ہو
 عشق آزاد ہے، کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

حمدِ نور برق ہے، آتشِ زنِ ہر خمن ہے ایں اس سے کوئی محرا، نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقامہ کہن ایندھن ہے ملتِ ختمِ مرسل شعلہ بر پیرا ہن ہے

آج بھی ہو جو براہمیم کا ایمان پیدا

آگ کر سکتی ہے اندمازِ چکستان پیدا

دیکھ کر زنگِ حمن ہو نہ پریت اس مال کو کب غنچہ سے شاخیں ہیں چکنے والی
خس دخاشاک سے ہوتا ہے گلستانِ غالی گل بر انداز بے خون شہدِ آگ لالی
زنگِ گردوں کا ذرا دیکھ تو عتابی ہے

یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفتابی ہے

امتنیں گلشن، متی میں ثمرِ چیدہ بھی ہیں اور محمدِ مشربی ہیں، خزانِ یہود بھی ہیں
سیکڑوں نخل ہیں، کامیڈہ بھی، بایہدہ بھی ہیں سیکڑوں بطنِ حمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں
نخلِ اسلام غرض ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی حمن بندی کا

پاک ہے گرد وطن سے سرِ داماں تیرا تو وہ یلو سفت ہے کہ ہمہ ربے کنعاں تیرا
قافلہ ہونہ سکے چاکبھی دیراں تیرا غیریک بانگ درا کچھ نہیں سماں تیرا

نخلِ شمعِ استی و در شعلہ دود ریشہ تو

عاقبتِ سورج بود سایہ اندیشہ تو

تو نہ مر جائے گا یاراں کے مر جانے لئے میں کو تعلق نہیں پہنانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افانے پا سباں مل جئے کبھی کو صدمخانے سے

کشتیٰ حتیٰ کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصرِ نورات ہے، دھن دلاسا ستارا تو ہے

ہے جو ہنگامہ پاپورش بلغاری کا
غافلوں کے لیے میام بے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ سامان بے دل آزاری کا
امتحان ہے ترے ایثار کا، خودداری کا
کیوں ہر اسال ہے ضمیل فرس اعلاءے
نور حق بمحض نکے گانفس اعلاءے

چشم اقوام سے محنت ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو صدرست تیری
زندہ رکھتی ہے زملے کو حصارت تیری
کونکب قسمت امکان ہے خلافت تیری
وقت فرست ہے کماں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے
مثل بُوقید ہے غنچے میں، پریشاں ہو جا رخت برداشت ہوئے چنتاں ہو جا
ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیباں ہو جا لغڑہ موج سے ہنسنگامہ طوفان ہو جا
وقتِ عشق سے ہر سپت کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اُجلا کر دے

ہونہ یہ پھول، تو بدل کا ترجم بھی نہ ہو چحن دہر میں کلیوں کا تبّم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو، ختم بھی نہ ہو بزم تو جید بھی دنیا میں نہ ہو، قم بھی نہ ہو
خیمد افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی پیش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں، دامن کسار میں میدان میں ہے بحر میں، موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراقبش کے بیباں میں ہے اور پوشیدہ سلطان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نفوارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لگ ک ذکر ک دیکھے

مردم چشم زیں، یعنی وہ کالی دینا
گرمی صرک پروردہ، ہلالی دینا عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دینا

پیش اندوڑ ہے اس نام سے پائے کی طرح

خوطر زن نور میں ہے آنکھ کے تلکے کی طرح

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شعیری تری مرے درویش اخلاف ہے جانی گزی
ما سوا اللہ کے لیے آگ ہے تبکیر تری تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد سے فنا نہ لے تو ہم تیرے میں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و مسلم تیرے ہیں

ساقی

نشاپلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ گروں کو تھام لے رہا
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُختہ جاتے ہیں کہیں سے آب بقاتے دوام لے ساقی
کئی ہے رات تو ہنگامہ گستربی میں تری
سحر قریب اللہ کا نام لے ساقی

تعلیم اور اس کے نتائج

(تصمیمین بر شعر ملا عرشی)

خوش تو میں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر بہ خداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساختہ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت نقیم کیا خبر بخنی کہ چلا آئے کام الحاد بھی ساختہ
گھر میں پرویز کے شیرین تو ہوئی جلوہ نما لے کے آئی ہے مگر تیسہ فرہاد بھی ساختہ
”تجھم دیکھ بخت آریم و بخاریم زفہ
کا پنج کشتیم زخجلت نتوان کر و درو“

قریب لطان

مجال کیا کہ اگر ہوشائہ کا ہمد و ش رضاۓ خواجہ طلب کن قبائے زنجیں پوش خطاب ملتا ہے مصبت سوت قوم فروش نئے اصول سے خالی ہے نظر کی آخونش ”بیزار گونہ سخن درد ہاں ولب خاموش“ ”گدائے گوشنہ نشینی تو حافظہ مخزوش“ ”بچیر بادہ صافی، بباہنگ چنگہ نوش“ لڑاکے توڑے سلکیں ہوس سے شیشہ ہوش کہ ہے یہ ستر نہاں خانہ ضمیر سروش

قیز حاکم و مسکوم مٹ نہیں سکتی جہاں میں خواجہ پرستی ہے بندگی کا کمال مکار عرض جو حصولِ رضاۓ حاکم ہو پرانے طرزِ علی میں ہزار مشکل ہے مزا تو یہ ہے کہ یوں زیر آسمان رہیے یہی اصول ہے سرباہی سکونِ حیات محرّمہ زدش پر مائل ہے تو، تو ایم اللہ شرکیں بزم امیر و وزیر و سلطان ہو پیام مرشد شیراز بھی محرّمہ لے ” محل نورِ جلی است رائے انور شاه چو قرب او طلبی در صفاۓ نیت کوش“

شاعر

جوئے سر و دا افریں آتی ہے کوہ سارے پنی کے شراب لالہ گوں میں کہہ بھائے

مست نے خرام کا سن تو دراپیام تو زندہ وہی ہے کام کچھ جس کو نہیں قرار
 پھر قلبے وار یوں کیا دنتر خو خرام ابر کرن ہے عشق بازیاں سبزہ مرغزارے
 جامِ شراب کوہ کے خندکے اڑاقی سے
 بست و بلند کر کے طے کھیتوں کو جاپلانی

شاعر دل نواز بھل بات اگر کھے کھری ہوتی ہے اس کے فیض سے مزید زندگی بری
 شان خلیل ہوتی ہے اسکے علاج سے گرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شدائد ری
 اہل زمیں، سخنہ زندگی دوام ہے خون جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری
 لکشن دہریں اگر جوئے نئے سخن نہ ہو
 پھول نہ ہو، کلی نہ ہو، سبزہ نہ ہو، چن نہ ہو

نویں صفحہ

۱۹۱۲ء

آتی ہے مشرق سے جب ہنگامہ دہمن سحر منزل ہتھی سے کرجانی ہے خاموشی سفر
 محفل قدرت کا آخر ٹوٹ جاتی ہے بگوت دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت
 پچھاتے ہیں پرنسے پاکے پیغام جیات باندھتے ہیں پھول بھی لکشن میں احاظہ جیات
 مسلم خوابیدہ اُٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
 وہ چمک اُٹھا اُفُن، گرم تھا ضدا تو بھی ہو
 وسعت عالم میں رہ پہما ہو مثل اقبال دامن گردوس سے نایید ہوئے داغ صحاب
 یکھنچ کر خنجر کرن کا، پھر ہر سر گرم متینز پھر سکھاتا ریکی باطل کو آداب گریز

تو سراپا نور ہے، خوشنتر ہے عربیانی تجھے
اور عربیاں ہو کے لازم ہے خود افشا نی تجھے
ہاں انہیاں ہو کے برق دیدہ خفاش ہو
لے دل کوں و مکاں کے رازِ مضمون ہائے

دعا

جو قلب کو گردے جو روح کو ترپا دے
پھر شوق تماشے پھر ذوق تعاضا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نہ اور وہ کوئی خلا دے
اس شہر کے خواز کو، پھر و معن صحراء
اس محملِ خالی کو، پھر شاہِ لیلادے
وہ داعِ محبت دے، جو چاند کو شما دے
خود داری ساحل دے آزادی دندا دے
سینوں میں اجالا کر دل صورت بینا دے
امروز کی شورش میں اندریشہ فردادے
یہ ببل نالاں ہوں اک اجرے گلتاں کا
تا شیر کا سائل ہوں، محتاج کو دالتا دے

یارب دلِ سلم کو وہ زندہ تمنا دے
پھر فادی فاراں کے ہر ذرے کو چکاوے
محرومِ حق شاکو پھر دیدہ بینا دے
بھٹکے ہوتے آہو کو، پھر سوئے حرمے چل
پیداول ویراں میں، پھر شورشِ محشر کر
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشان کو
رفعت میں مقاصد کو ہمدوش شریا کر
یہ لوثِ محبت ہو، بیساک صداقت ہو
احساسِ عنایت کر آثارِ مصیبۃت کا

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

پیش لامار میں اک برگ زرد کتنا تھا
جیا وہ موسمِ محل جس کا رازِ داں ہوں میں

نہ پامال کریں مجھ کو زائرانِ حسن
انہیں کی شاخِ نشیمن کی یادگار ہوں یہیں
ذرے سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو
حسن میں آکے سراپا عالم بھار ہوں یہیں
خزان میں محکورلاتی ہے یاد فصلِ بمار
خوشی ہو عید کی کبوتر کر سوگوار ہوں یہیں
اجڑ ہو گئے عجمِ کمن کے مے خانے
گذشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں یہیں
پیامِ عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے ا
بلال خیسہ ہماری ہنسی اڑاتا ہے ا

فاطمہ مرت بہ اللہ

عرب کی لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی

۱۹۱۲ء

ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حور صحرا تری قسمت میں ہی
غازیانِ دین کی ستائی تری قسمت میں ہی
یہ جہادِ اللہ کے رستے میں بے تیغ و پیز
ہے جارت افریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس سکلت ان خزان منظر میں ہتھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکتیں ہی
اپنے صحرا میں بہت آہوا بھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں بے ہوئے یادل میں بھی خوابیدہ ہیں

فاطمہ اگوشنہ افتخارِ سکھ تیرے غم میں ہے
نغمہِ عشرت بھی اپنے نالہ ماقم میں ہے
رقص تیری خاک کا لکڑا نشت اٹانیجھر ہے
ذرہ ذرہ زندگی کے سورے لبرہنے ہے

پل رہی ہے ایک قوم تاہہ اس غوش میں
بے خبر ہوں گرچنان کی وعده تھے میں
آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مقصدے میں
تازہ انجم کا فضائے آسمان میں بے ظور
دیدہ انسان سے ناجرم ہے جن کی موج نوا
جو ابھی ابھرے میں خدمت خانہ ایام سے
جن کی تابانی میں انداز کھمن بھی، نوبی ہے
اور تیرے کو کب قعده ریکا پر تو بھی ہے

شبیم اور ستارے

اک رات ہکنے لگے شبیم سے ستارے ہر صبح نئے تجوہ کو میریں نظر سے
کیا جانتے تو کتنے جہاں دیکھو چکی ہے!
جو بن کے منٹے ان کے نشان دیکھو چکی ہے
زہرہ نے سنی ہے یہ جرا یک ملک سے انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے
کہہ ہم سے بھی اس کشور دلکش کافایانہ
کہا تاہے نسر جس کی محبت کا تزانہ

گاہش نہیں، اک بستی ہے دہ آہ و فنا کی
بیچاری کلی گھٹتی ہے مر جانے کی خاطر
نخاسا کوئی شحد، بے سور زکلی ہے
دامن سے مرے موتیوں کو چن نہیں سکتا
اگتے یہں جس سایہِ گل خار، غضب ہے
ذل طائب نظارہ ہے، محروم نظر انجم
اے تارہ بان پوچھو چنستان جسال کی
آتی ہے صبا داں سے پٹ جانے کی خاڑ
کیا تم سے کہوں کیا چن افروز گلی ہے
گل ناڑ بلبل کی صدا سن نہیں سکتا
ہیں مرغ نواریز گرفدار، غضب ہے
رہتی ہے سدا نرگس بیمار کی تر آنکھ

دل سوختہ گرمی فریاد ہے شمشاد
 زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے شمشاد
 تارے شر آہ ہیں انساں کی زبان میں
 میں گریہ گرد وہن ہوں گلتاں کی زبان یہ
 نادانی ہے یہ گرد زمیں طوف قمر کا
 سمجھا ہے کہ دریاں ہے وہاں داع جگر کا
 بنیاد ہے کاشانہ عالم کی بہوا پر
 قمریاد کی تصویر ہے قرطہ فضی پر

محاضہ ادرستہ

حق خبر آزمائی پہ مجبوہ ہو گی
 شکری حصارِ دریہ میں محفور ہو گی
 روئے امید انحصار میں سور ہو گی
 "آئیں جنگ" شہر کا دستور ہو گی
 شاہیں گدائے داڑھنگو ہو گی
 گرام کے مثل ساعتہ طور ہو گی
 فتویٰ تم شہر میں مشور ہو گی
 یورپ میں جس کھڑی حقِ دبائل کی چھڑی
 گرد سلیب گرد قتلہ زن ہوئی
 مسلم پہاڑیوں کے ذخیرے ہوئے تمام
 آخر میں عکر ترکی کے حلم سے
 ہشیز ہوئی ذخیرہ لشکر میں منتقل
 لیکن فقیہہ شہر نے جس دم سنی یہ بات
 "ذمی کامال شکر مسلم پہ ہے حرام"
 پھوتی نہ بھی یہود و نصاریٰ کامال فرج
 مسلم خدا کے حکم سے مجبوہ ہو گیا

غلام قادر میسلہ

رہیلہ کس قدر فلم ، جفا جو، کیسہ پرور تھا
 نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوک بخز سے
 دیا اہل حرم کو رقص کافرہ مان ستم گھنے
 یہ انداز ستم کچھ کم نہ تھا آثار محشہ سے
 بھلا تعسیل اس فرمان غیرت لش کی مکن بھی
 شہنشاہی حرم کی ناز نینان سمن برے سے
 بنایا آہ! سامان طرب بے درد نے ان کو
 نہاں تھا حُسن جن کا حشیم مهر دماہ و افترے سے
 لرزتے تھے دل نازک ، فتم مجبور جنبش تھے
 روائی دریائے خوں شہزادیوں کے دیدہ ترے سے
 یونہیں کچھ دیر تک محو نظر آنکھیں رہیں اس کی
 کیا گھبرا کے پھر آزاد سر کو بارِ مغفرے سے
 کمرے اٹھ کے تیغ جانتاں آتش فشاں کھولی
 سبق آموز تابانی ہوں انجمن جس کے جوہرے سے
 رکھا خبہ کو آگے ، اور پھر کچھ سوچ کر لیسا
 تقاضا کر رہی بھی نہیں کہ گویا چشم احمرے
 بجاے خواب کے پانی نے اٹھا اس کی آنکھوں کے
 نظر شرماں گئی ظالم کی درد انکی منظر سے

پھر انھا اور تیموری حرم سے یوں رکھا کئے
 شکایت چاہیے تم کو نہ پھرا اپنے مقدار سے
 مراسنہ پر سوجانا بنا دش ملٹی، تلفت خا
 کے غفلت دور ہے شان صفت آرایاں شحرے
 یہ مقصد تھا مر اس سے کوئی تیمور کی بیٹی
 مجھے عاقل سمجھ کر مارڈا لے میرے خبرے
 مگر یہ راز آخر کھل گیا سارے زمانے پر
 حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے لھرے

ایک مرکالمہ

اک مرغ سرانے یہ کہا مرغ ہوا سے پردار اگر تو ہے، تو کیا میں نہیں ڈڑا؟
 ہر تو ہے ہوا گیر، تو ہوں میں بھی ہوا گیر آزاد اگر تو ہے، نہیں میں بھی گرفتار
 پرواز خصوصیت، ہر صاحب پر ہے کیوں ربنتے ہیں مرغان ہوا مائل پندار
 بھروس حمیت جو ہوئی مرغ ہوا کی بھجھ شک نہیں پرواز میں آزاد سے تو بھی
 حد بے تری پرواز کی اسیکن سرہد بلوار
 واقف نیز تو ہمیت مرعن بوا سے تو خاک نشین، انھیں گردول سے مرد کار
 تو مرغ سے ای، بخوش از خاک بھوئی
 مادر صدد داد، ہابنجم زده منقار

میں اور تو

مزاق دیدے سے نا آشنا نظر بھے مری
تری نگاہ بے فطرت کی راز دان پھر کیا؟
رہیں شکوہ ایام ہے زبان مری
رکھا مجھے چمن آوارہ مثل موج شیم
خواضنک نے یہ تجکو آشیاں پھر کیا؟
فرود ہے سود سے سرمایہ جات ترا
ہوا میں تیرتے پھرتے میں تیرے طیار
ترے نصیب میں بے کاوش نیاں پھر کیا؟
مرا جاز بے محروم بادبائ پھر کیا؟
قوی شدیم، چرشدہ ناقوان شدیم چرشدہ؟
چنسیں شدیم، چشدہ یا چنان شدیم، چشدہ؟
یہ سچ گونہ دریں گاہستان قرارے نیست
تو گر بہار شدی، ما فزان شدیم، چشدہ؟

لضم میں بر شعر ابو طالب کلمیم

کہہ رہی ہے نندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
اے سلیمان! تیری غفلت نے گنوایا وہ لمحیں
خوب ہے تجھ کو شعار صاحب ثیر کا پاس
جس سے تیرے حلقة خاتم میں گردول نقا اسیر
اے سلیمان! تیری غفلت نے گنوایا وہ لمحیں
وہ لاثان بحمدہ جور و شن نخدا کو کب کی طرح
دیکھو تو اپنا عمل، تجکو نظر آتی ہے کیا
تیرے آبا کی نوحہ بجلی بھتی جیت افڑیں
ہے وہی باطل ترے کاشنا نزدیں میں ملھیں

غافل! اپنے اشیاں کو اسکے پھر آباد کر نغمہ زن بے طور متعنی پر کلیم نختہ میں
 "سرکشی باہر کر کر دی رام او باید شدن
 شعلہ سال از بر کجا بخاستی آنجنا نشین"

شبلی و حالی

مسلم ایک روز یہ اقبال نے کہا
 تیرے سرو درفت کے نفعے علومِ فو
 پتھر ہے اس کے واسطے موجِ نیسم بھی
 مردان کارڈھونڈ کے اسبابِ حاشاۃ
 پوچھا ان سے جو چین کے ہیں دیرینہ رازدار
 مسلم مرے کلام سے بے تاب ہو گیا
 کہنے لگا کہ دیکھ تو یکیفت خزان
 خاموش ہو گئے چنستان کے رازدار
 بیل کو رو رہے تھے ابھی اہل چنستان
 "اکتوں کرا دماع کہ پرسہ ز باعیان
 بیل چ گفت دھل چشند و صبا چ کرد"

ارتفتہ

ستزہ کارہا ہے ازل سے تاموز
 چراغِ مصطفوی سے شارِ بولبی
 مرشد اس کی ہے مشکل گش جنابی
 حیاتِ شعلہ فراج وغیرہ شور انجیز
 ہزار مرشد ہائے فنان نیم شبی
 سکوتِ شام سے تانفسہ سحر گاہی
 کشاں زم و گرا، تپ و تراش و خراش
 زخاں تیرہ دروں تا پرشیشہ جلبی
 مقامِ بست و شکست و فشار و سوز و کشیدہ
 میان قطرہ نیسان و آتش عربی
 اسی کٹ کش پیغم سے زندہ ہیں اقوام
 یہی ہے رازِ بت و تابِ بت عربی
 ”معنا کہ دادِ انحراف آب می سازند“
 ستارہ می شکنہ آفتاب می سازند“

صریق

دیں مال راہ حق میں جو ہوں تم میں مال دار
 اس روزِ اُن کے پاس تھے در جم کئی بزر
 بڑھ کر رکھے کا آج دتم میرا را ہمار
 ایثار کی ہے دستِ نگرا بتدائے کار
 لے وہ کہ جوش حق سے ترے دل کو بے قرار
 مسلم ہے اپنے خویش واقارب کا حق لزار

اک دن رسول پاک ناصحاب سے کہا
 ارشاد سن کے، فرط طربے عمر آئھے
 دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدقیت سے ضرور
 لائے عرض کر مال رسول امیں کے پاس
 پوچھا حضور سرورِ عالم نے لے عمر ۷۰
 رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟

کی عرض نصف مال ہے فرزند وزن جتنی
باقی جو ہے وہ ملت بھینا پر ہے تشار

اتنه میں وہ رفیق بنت بھی آگیا جس سے بنائے عشش و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد و فامرست ہر چیز، جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
بلکہ یہ میں وورہم و دینار و رخت و جنس اس پر قدر کم و شتر و قاطر و حمار
بو لے حضور چاہیے فکر عیال بھی کہنے لگا وہ عشش و محبت کارازدار
لے تجھ سے دیدہ مرد و احمد فروع لگر لے تیری ذات باعث تکون روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صلیت کے لیے ہے خدا کا رسول بس!

تمہاری حاضر

تصمیں بر شعر فرمی

بھڑک انھا بھسوکاں کے مسلم کائن خاکی حرارت ہے بلا کی بادہ تندیں پا فر میں
کیا ذرا کو جھنو، دلکے تائب تعارض نے کوئی دیکھے تو شوخی آفتاب جلوہ فرمائی
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی یہ بیکی
ہنسی سمجھی کئی گلشن میں غنچوں کی جگہ چاکی
مناظر دل کشا و کھلا کی ساحر کی چالاکی
رقابت خود فروشی، ناشکیباٹی، ہونا کی
مکر کرتی ہے پڑا انوں سے میری کہنا دراکی
فرغ شمع نو سے بزم مسلم جھکا اُٹھی

”تو ایے پروانہ! ایں گرمی ز شمعِ محفلے داری
چومن درائش خود سوز اگر سوز دلے داری“

والدہ مرحومہ کی یادیں

ذرہ ذرہ دھر کا زندانی تقدیر ہے
پردہ محصوری ویچ پارگی تدبیر ہے
آسمانِ محصور ہے، شمس و قمرِ محصور ہیں
اجمیں سیماں پار فتار پرِ محصور ہیں
ہے شکستِ انجام غنچے کا سبو ٹکڑا میں
سیزہ دلکل بھی ہیں مجبورِ غنو ٹکڑا میں

نقشہ بلبل ہو یا آوازِ خاموش فیض
ہے اسی زنجیرِ عالمیگر میں ہرشے اسیز

آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سترِ محصوری چیزاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ واں
قلبِ انسانی میں رقصِ عیش و غم رہتا نہیں
نقشہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بمِ دنیا نہیں
علم و حکمت رہنے سامانِ اشک آفہے
یعنی اک الماس کا مکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باع میں شبیم کی شادابی نہیں
آنکھ میسری مایہ دار اشکِ عتابی نہیں

جانت ہوں آہ ! میں آلام ان افی کا راند
ہے تو اتنے خنکوہ سے خالی مری فطرت گاساز
میرے لب پر قہہ نیسہ نہیں دواراں نہیں
دل مرا حیراں نہیں، خندان نہیں، ہگر لیا نہیں

پر مری تصویر قاصد گریہ پھرم کی ہے
آہ ! یہ تردید میری حکمتِ حکم کی ہے

گریہ مرشار سے بنیادِ جاں پایسند ہے
درد کے عرفان سے عقلِ سگدلِ شرمند ہے
موجِ دود آہ سے آئینہ ہے روشنِ مرا
لنج آب آورد سے مسحور ہے دامنِ مرا
جیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
روح بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پا بپا اس نے کیا
عبدِ طفل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلٹی لھتی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ لھتی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی لفڑار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشم گو ہر بارے کے
علم کی سجنیدہ لفڑاری، بڑھا کپے کاشتو
دنیوی اعزاز کی مشوکت، جوان کا غرور

زندگی کی اوج گاہوں سے اتراتے ہیں ہم
 محبت باور میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں تم
 پئے تکلف خندہ زن ہیں، فنکرے آزاد ہیں
 پھرا سی کھوتے فردوس میں آباد ہیں
 کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا منتظر
 کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا یہ قرار؟
 خاک مرتد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
 اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا؟
 تربیت سے تیری میں الجم کا ہم قسمت ہوا
 گھر مرے احباب کا سرمایہ عزت ہوا
 دفترِ ہستی میں بھتی نزدیں ورق تیری جیات
 بھتی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری جیات
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
 میں تری خدمت کے قابل جب ہوا، تو پل بسی
 وہ جوانِ قامت ہے جو صورتِ مروبلند
 تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
 کار و پار زندگانی میں وہ ہم پسلو مرا
 وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا
 بچھو کو مثل طفلاں بے درست و پاروتا ہے وہ
 صبر سے ناؤشنا صبح و ماروتا ہے وہ

تھم جس کا تو ہماری کشت جاں میں لوگی
 شرکتِ عمر سے وہ الفت اور حکم ہو گئی
 آہ! یہ دنیا، یہ ماتم خانہ، بُرنا و پیرا
 آدمی ہے کس طسم دوش و فدا میں اسرا
 کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر اساں ہے موت!
 گھشن ہستی میں ماشیہ نیسم ارزش ہے موت!
 زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
 کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں!
 کلبہ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت!
 دشت و در میں، شہر میں گھشن میں، ویرا میں موت
 موت ہے ہنکا مر آرافتلزم خاموش میں
 ڈوب جاتے ہیں سینتے موچ کی آخوش میں
 نے مجالِ شکوہ ہے، نے طاقتِ گفار ہے
 زندگانی کیا ہے، اک طوقِ گلو افشار ہے!
 قافلے میں عیز فنر یادِ درا کچھ بھی نہیں!
 اک مستارِ دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں!
 ختم ہو جائے گا لیکن امتحاں کا دور بھی
 ہیں اپس ٹپردا گردوں ابھی دور اور بھی!
 سینہ چاک اس گھستاں میں لا رونگل ہیں تو یہ
 نالہ و حسنر یاد پر مجبور بلبل ہیں تو یہ؟

جھاڑیاں، جن کے قفس میں قید ہے اُہ ضزان
 سبز کر دے گی انھیں باد بسارِ جاوداں
 خفتہ خاک پے سپر میں ہے سثارِ اپنا تو کیا؟
 عارضی محل ہے یمشت غبار اپنا تو کیا؟
 زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں!
 لُونا حس کا مقدر ہو، یہ وہ گوہر نہیں!
 زندگی محب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
 ذوقِ حفظِ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
 موت کے ہاتھوں سے مت سکت اگر نقشِ حیات
 عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظمِ کائنات
 ہے اگر ارزان تو یہ کجو اجنب کچھ بھی نہیں
 جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
 آہ! غافل! موت کا رازِ نہاں کچھ اور ہے
 نقش کی تاپاماری سے جیسا کچھ اور ہے
 جنتِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالا کے آب
 موجِ مصطفیٰ توڑ کر تعمیر کرتی ہے جاپ
 موج کے دامن میں پھر اس کو چھادیتی ہے
 لکتی بے دردی سے نقشِ اپنا مثادیتی ہے یا
 پھر نہ کر سکتی جاپ اپنا اگر پسیدا ہوا
 توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا

اس روشن کا کیا اثر ہے ہمیت تغیر پر؟
یہ تو جھٹ بے ہوا کی قوت تغیر پر
فطرت، ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پسکر کی اس کو جتو رہتی نہ ہو
آہ! سیما ب پریشان، ابھم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں، ممنون شب ہے جن کا سور
عقل جس سے سربازانوں سے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت ذرع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤک ہے جس کی نظر
قدسیہل سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
بڑا شہزادہ محفل، قدرت، بیرون ہے
آسمان اکر نقطع بس کی دعوت طریقے ہے
اس کی ناد بند بے یے بیتاب ہے
جب کاناخن ساہز ہنسنی۔ لیے مفراب سے
شعلہ یہ کستر ہے گردوں کے شاروں سے بھی کیا؟
کم بھا ہے آفتاپ اپنا ستاروں سے بھی کیا
اتخیم محل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے داسطے بے تاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جوستہ ہے
خود نانی، خود فرزائی کے یے مجبور ہے

سردیِ مرتدے میں بھی افسرده ہو سکتی نہیں
 خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
 پھول بن کر اپنی تربت سے نخل آتا ہے یہ
 موت سے گویا قبایلے زندگی پاتا ہے یہ
 ہے لحد اس قوتِ آشفة کی شیرازہ بند
 ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمرنے
 موت تجدید یہ مذاق زندگی کا نام ہے
 خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
 خوگر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں!
 موت اس گلاشن میں جز سخیدن پر کچھ نہیں!
 کہتے ہیں اہل جہاں دردِ احسبل بے لادوا
 زخم فرقت وقت کے مرجم سے پاتا ہے شفا
 دل مجرم عمرنے والوں کا جہاں آباد ہے
 حلقة زنجیرِ صحیح و شام سے آزاد ہے
 وقت کے افسوں سے محنت نالہ نام نہیں
 وقت زخم-تیغ فرقت کا کوئی مرہسم نہیں
 سر پر آبائی ہے جب کوئی مصیبت ناہماں
 اشک پھیم دیدہ انساں سے بجتے ہیں روائ
 ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
 خون دل بتا سے انکھوں کی سرشاری دے

آدمی تاب شکیبانی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یا اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک، عالم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ! یہ ضبطِ فضائل غفلت کی خاموشی نہیں!
آگئی ہے یہ دلائی، فراموشی نہیں!
پردهِ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
داعِ شب کا دامنِ آفاق دھوتی ہے صبح
اللہ افسرده کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زیاد طاڑ کو سرمستِ نواکرتی ہے یہ
سینہِ ببل کے زندان سے مرود آزاد ہے
سیکڑوں نعمتوں سے بادِ صبحِ مردم آباد ہے
خفتگانِ اللہ زاروں کو ہمارو رو دپار
ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہو ہرشِ م صبح
مرقدِ انسان کی شب کا کیوں نہ ہوا بجامِ صبح؟
دامِ سیمینِ تجیل ہے مرا آفاقِ گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یادِ کوئیں نے ایسا

یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبے میں دعاوں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلیم ہم ہے جس کا حیات
 جلوہ گابیں اس کی ہیں لاکھوں جہاں بے ثبات
 مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم دراہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولان گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشتِ اجل کے واسطے
 سازگار آب و ہوا تخمِ عمل کے واسطے
 نورِ فطرتِ ظلمت پیکر کا زغافی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکارِ انسانی نہیں
 زندگانی بحقیقی حساب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبع کے تارے سے بھی تیرا سفر
 مثل ایوانِ سحر مرتدِ فردوس ہو ترا!
 نورے معمور یہ خاکِ شہستان ہو ترا!
 آسمان تیری لمحہ پر شبِ نم افشا فی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی آنچہ بانی کرے

شاعر آفتاب

صحیح جب میری نظر سودا تی نظر و تھی
آسمان پر اک شاعر آفتاب آوارہ تھتی
میں نے پوچھا اس کرنے سے اے سرپا فطرۃ
تیری جان ناشیکبسا میں ہے کیا ضطرابا
تو کوئی چھوٹی سی بجلی ہے کہ جس کو آسمان
کر رہا ہے خمن اقوام کی خاطر جو ان
ید نزدیک یا ازال سے تیری خوبی ہے بیکا ہے یہ
قص ہے؟ آوارگی ہے جس تو ہے؟ کیا ہے یہ

خفتہ ہنگھتے ہیں میری ہستئی خاموش میں
پرورش پائی ہے میں نے صحیح کی آغوش میں
مضطرب ہر دم مری تقدیر رکھتی ہے مجھے
جب تو جھوٹیں لذت تو زیر رکھتی ہے مجھے
برق آتش خونیں فطرت میں گوناری ہوں میں
ہر عالم تاب کا پیغام بیداری ہوں میں
سر مر بن کر چشم انساں میں سما جاؤں گیں
رات نے جو کچھ چھپا رکھا تھا دکھلا دوں گی میں
تیرے ستون میں کوئی جو گائے ہر شیاری بھی ہے؟
سو نے والوں میں کسی کو ذوق بیداری بھی ہے؟

عرفی

لتصدق جس پر حیرت خانہ سینا و فارابی
یہ سر جس سے یہ ملکوں کو اب تک شکست عطا ہی
نہیں ہے حکمران عالم میں اب سامان بتایا
کہ خصوت ہو گئی دنیا کے کیفیت محسوسیاتی
 محل ایسا کیا تعمیر عرفی کے تجیل نے
فضائے عشق پر تحریر کی اس نے نواہی
مرے دل نے یا کوئی اس کی تورت تکایت
مزاج اہل عالم میں تغیر آگیا ایسا

فغان نیم شب شاعر کی بارگوش ہوتی ہے
 نہ ہو جب پشم مخلل آشانے لطف بخواہی
 کسی کا شعلہ فریاد ہو ظلمت رپا کیوں کر
 گراں ہے شب پرستوں پر سحر کی اسماں تابی
 صد اتر بستے آئی دشکوہ اہل جہاں کم کو
 نوار اتلخ ترمی زن چودو ق نغمہ کم یابی
 حدی راتیز ترمی خواں چو محلہ الگراں یعنی

ایک خط کے جواب میں

حصولِ جاہ ہے وابستہ مذاقِ تلاش
 ہوس بھی ہو تو نہیں مجھ میں ہمتِ نگفتاز
 ہزار شکر طبیعت ہے ریزہ کار مری
 ہزار شکر طبیعت ہے ریزہ کار مری
 جہاں میں ہوں میں مثلِ حباب دریا پوش
 مرے سخن سے دلوں کی ہیں کھینچیاں سر بزر
 یہ عقد ہا کے سیاست تجھے مبارک ہوں
 کر فیضِ عشق سے ناخ مرابے سینے غرائش
 ہوا کے بزمِ سلاطین، دلیلِ مردہ دل
 کیا ہے حافظِ رنجیں زوانے راز یہ فاش
 "گرت ہو است کہ با خضر ہم نشین باشی
 نہاں ز پشم سکندر چو آبِ حیوان باش"

نانک

قدر پچھاں نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 غافل اپنے بچل کی شیرینی سے بخیر
 ہند کو سیکن نیالی فلسفہ پر ناز تھا
 قوم نے پیٹ مگونم کی ڈرا پروانہ کی
 آہ! بد قسمت رہے آوازِ جن سے بخیر
 آشکارا اس نے کیا جوز ندی کا راز تھا

شمع حق سے جو منور ہو یہ دھخل نہ تھی
 آہ! اشودر کے لیے ہندوستان غم خاند ہے
 در و انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 بہمن سرشار ہے اب تک فئے پندرہ میں
 شمع گوم جل رہی ہے مغل ایثار میں
 بتکہ پھر بعدت کے مجرروشن ہوا نور ابراهیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر انہی آخر صد اویجید کی پنجاب سے
 ہندوکو اک مرد کامل نے جھکایا خواب سے

کفر و اسلام

تضمین بمشعر میر رضی دنش

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طور سے
 آتش نمزو دہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز
 تھا جواب صاحب میدنا کہ مسلم ہے اگر
 ذوق حاضر ہے تو پھر لازم ہے ایمان خیل
 ہے اگر دیوان غائب تو پچھ پرداز کر
 عارضی ہے شان حاضر سلطنت غلام مام
 شعلہ نمزو دہے روشن زبانے میں تو کیا
 نورِ اچوں آتش سنگ از نظر پنماں خوشیت

بِلَالٌ

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
اہل قلم میں جس کا بہت احترام تھا
جولانچہ سکندر رومی تھا ایشیا
گردوں سے بھی بلند تر اس کا مقام تھا
تازہ تر گھر رہی ہے کہ رومی کے سامنے دعویٰ کیا جو پورس ف دارا نے خام تھا
دینا کے اس شہنشہ اجم سپاہ کو حیرت سے دیکھتا دلک نیل فام تھا
آج ایشیا میں اس کو کوئی جانت نہیں
تاریخ دان بھی اسے پھپانا نہیں
لیکن بلالؓ وہ جبشی زادہ حق تیر
فسر تھی جس کی نورِ بتوت میں نیز
حس کا ایں ازل سے ہوا سینہ بلالؓ
محکوم اس صدا کے بیں شاہنشہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احرمیں اختلاط کرتی ہے جو عزیب کو ہم پہلوے امیر
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جلد لگاد صدیوں کے سن رہا ہے جسے گوشِ چونخ پر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا، جبشی کو دوام ہے!

مسلمان اور علمِ حبہ

تضمین بِرْ شعر ملک قمی

مرشد کی یہ تعلیم تھی اے سلمہ شوریدہ سرا
لازم ہے رہو کے لیے دنیا میں مسلمان بھر
بدل زمانے کی ہوا، ایسا تغیر آگیا
تھے جو گمراں قیمت کبھی اب ہی متاع کس بخ

گھٹ کر ہوا مثل شریتارے سے بھی کم نور
 دوہ شعلہ روشن تراہ ظلمت گریزان جس سے
 غالباً اب اقام پرسبود کا کا اثر
 شیدائی غائب نہ رہ، دیوانہ موجود ہو
 فرود میں ہے پھندا ترا، زیرک بے مرغ تیز تر
 مکن نہیں اس باع میں کوشش ہو بار کو تری
 ہے خون فاسد کے لئے تعلیم مثل نیشن
 اس دور میں قدمیم ہے امراض ملت کی وا
 رہبر کے ایسا سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے
 دلیکن نکاوند ہیں دیکھے زبول بخی مری
 داجبے صحراء کرد پر تعمیل فران خضر
 ”رفتم کہ خارا ازا پاکشم، محل نہماں شاذ انظر
 یک لحظ غافل گشتہ و صدر سالاہم و شد“

پھولوں کی شہزادی

کلی سے کہہ رہی تھی ایک دن شب گھنٹاں میں
 تھاں گھنٹاں کی کیفیت مرشار بے ایسی
 رہی میں کیٹت غنچہ ہائے باع غضوں میں
 نکل فروں دراں ہے میری چشم جیاں میں
 نہ ہے کوئی شہزادی اس گھنٹاں کی کہ جس کے نقش پا سے پھول ہوں پیدا بیا بان
 بھی ساختہ اپنے اس کے آتاں تک مخلوقوںے چل

چھپا کر اپنے دامن میں بر نگاہ موج نوئے چل
 کلی بولی سرید آر اہماری ہے وہ شہزادی
 درختاں جس کی چھوکرے ہوں پھٹکنیں کر
 مل جھنڑت تری افتادہ اور بیکم کی شان اوپنی
 نہیں مکن کہ تو پہنچے ہماری ہم زشیں بن کر
 پہنچ سکتی ہے تکین ہماری شاہزادی تک
 کسی دکھ درد کے مارے کا اشک آشیں بن کر
 نظر اس کی بیام عید ہے اہل محروم کو
 بنادیتی بے گوہ غمزدوں کے اشک بیتم کو

تضمین بر شعرِ صاحب

نواں باغ میں ببل کو ہے سامان یوں ایسا
نمیں ممکن کہ پھوٹے اس نمیں سے نہیں سینا
جہاں ہرثے ہو مردِ حاضر کے خود اپنی
زہے بیدار دل پیری، زہبت خواہ بُرنا
نواگر کے لیے زہرا ب ہوجاتی ہے شکر قانی
نہیں ضبطِ نوا ممکن تو اڑ جا اس گلستان کے
کہاں اقبال تو نے آبنایا آشیاں اپنا
مرے اے وادیٰ امین کے توبوتا قبے سکن
کلی زورِ فرس سے بھی وہاں تک ہو نہیں سکتی
قیامت بے کہ فطرت ہوئی اہل گلستان کی
دل آگاہ جب خابید ہو جاتے ہیں سیخون میں
”ہماس بہتر کے سیسلی دریا باب جلوہ گربا شد
ندارِ تنگنا کے شرتا ب حسن صحراي“

فردوس میں ایک صرکار

ہالف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
اے آنکہ زنورِ گہر نظمِ فلک تاب
کچھ کیعینتِ مسلم ہنس دی تو بیاں کر
مزہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی گوشی
باتوں سے ہوا شیخ کی حائل متاثر
جب پر فلک نے درقِ ایام کا اُلٹا
ایپے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل

دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
 مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی
 دیں زخم ہے جمیعتِ ملت ہے الگ ساز
 بنیاد روز جائے جو دیوارِ حضن کی
 ظاہر ہے کہ انجامِ کارستان کا سے آغاز
 پانی نہ ملazمِ ملت سے جو اس کو
 پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
 یہ ذکرِ حضورِ شہیر ثابت میں نہ کرنا
 سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غناہ

”خرُّ مانسوں یافت ازاں خارک کر شیتم“

دیباً مانسوں یافت ازاں لشکم کر شیتم“ (سعدی)

مذہب

تضمین بر شعر میرزا بیدل

تضمین پیر فلسہ معرفی ہے یہ
 ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کر ہے تلاش
 پیکر اگر نظرے نہ ہو آشنا تو کیا
 ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش
 محسوس پر بنا ہے علومِ حبدید کی
 اس دور میں ہے شیش عقامہ کا پاش پاش
 مذہبیک جس کا نام وہ ہے اک جنون خام
 ہے جس سے آدمی کے تحیل کو انتعاش
 کتنا ہے محر فلسفہ زندگی کچھ اور
 مجھ پر کیس یہ مرشد کامل نے راز فاش
 باہر کسال انہ کے امشقی خوش است
 ہر چند عقلِ کل شہ مبے جنوب مباش“

جنگ کے موک کا ایک واقعہ

حقی منظر خاکی عروس زمین شام
 آگر ہوا میر عساکر سے ہے مکلام
 بریز ہو گیسا مرے صبر و مکون کا جام
 آگ دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
 لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی یا
 جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
 یہ ذوق و شوق دلچیخ کے پُرم ہوئی وہ انحصار
 بولا اسیر فرج کہ ”وہ نوجوان ہے تو
 پیروں پتیرے عشق کا داجبے، اخراج
 پوری کرے خدا کے محمد تری مراد
 کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
 پسچے جو بارگاہ رسول ایں میں تو
 کرنا یہ عرض میری طرف سے پس اسلام
 ہر سم پر کرم کیا ہے خدا کے یخونے
 پورے ہوتے جو دعے کیے تھے تھوڑے؟“

ذہب

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کمر
 خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی
 ان کی جمیعت کا ہے ملک و نسب پرانختار
 قوتِ ذہب سے مستحکم ہے جمیعت تری

دامنِ دین ہاتھ سے پھوٹا تو جمیعت کسان
اورجمیعت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی!

پیوس ترہ شجر سے امید بمار رکھ

ڈالی گئی جو فصلِ خزان میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحاب بمار سے
ہے لازوالِ حمدِ خزان اس کے واسطے کچھ واسطہ نہیں ہے اسے بر جو بارے
ہے تیرے ٹھکستان میں بھی فصلِ خزان کلاؤ
خالی ہے جیبِ گل زر کامل عیار سے
جونغمہ زدن سختے خلوت اور اراق میں طیور رخصت ہوئے قتلے شجر سایہ بارے
شاخِ برید و سے سبقِ اندوڑ ہو کر تو ناکشناہ ہے قاعدہ روزگار سے
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوس ترہ شجر سے امید بمار رکھ!

شبِ معراج

اختتہ شام کی آتی ہے ٹک سے آواز
حبدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں
کمرہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

پھول

تجھے کیوں فنکر ہے اے گل! دل صدیلِ عبل کی
 تو اپنے پیرین کے چاک تو پہلے رفوکر لے!
 تمنا آبروگی ہو اگر گلزارِ بستی میں
 تو کامٹوں میں الجھر کر زندگی کرنے کی خوکر لے!
 صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے، پا بجل بھی ہے
 انھیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو توکر لے!
 تنک بخشی کو استغنا سے پیغامِ خجالت دے
 نہ رہ منت کش شبنم، نجخوں جام و سبوکر لے
 نہیں یہ شانِ خود داری، چون سے توڑ کر تجھکو
 کوئی دستار میں رکھ لے، کوئی زیبِ گلوکر لے
 چون میں غنچہ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم
 مذاق جو رہ گل چیں ہو، تو پسیدا اکھڑ بُوگر لے
 اگر منظور ہو تجھکو خرزان نا آشتا رہنا
 جہاں رنگِ دبو سے پہلے قطع آرزوکر لے
 اسی میں دیکھ! مضمرا ہے کسیں زندگی تیرا
 جو تجھکو زینتِ دامن کوئی آبیسہ رہ کر لے!

شیکسپلیسٹر

شفقِ صبح کو دریا کا خرام آئیں نے لغزِ شام کو خاموشیِ شام آئیں نے

برگِ گل آئیں عارض زیبائے ببار شاہد ہے کے یہ جملہ جام آئیں
 حسن آئیں حق اور دل آئیں حسن دل انساں کو ترا حسن کلام آئیں
 ہے ترے فکرِ فلک سے میں کمال ہستی
 کیا تری فطرتِ روشن ہمیں مکال ہستی
 تجھے کو جب دیدہ دیدارِ ظلیل ڈھونڈا تاب خورشید میں خورشید کو پہاں دیکھا
 چشمِ عالم سے تو ہستی رہی مستور تری اور عالم کو تری آنکھ نے عربان دیکھا
 حفظِ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا
 رازِ داں پھرناز کرے گی کوئی پیدا ایسا

میں اور تو

زندگی مجھ میں لکھیم کا، ز قرینہ تجھ میں خلیل کا
 میں ہلاک جادوئے سامری، تو قتیل شیو آزری
 میں نوازے سوختہ در گلو، تو پرییدہ زنگِ رمیہ بلو
 میں حکاتِ عتم آرزو، تو حدیثِ مائمِ دلبڑی
 مراعیشِ عتم، مرا مشهدِ سم، مری بودھم لغس عدم
 تزادلِ حسرم، گرو غسم، ترا دیں حنیڈہ کافری
 دم زندگی رم زندگی، عتم زندگی سم زندگی
 عتم رم ز کر سم عتم ز کھا کہ یہی ہے شانِ قلندری
 تری خاک میں ہے اگر شر تو خاں، فقر و غنما نکر
 کہ جہاں میں نان، شعیر پر ہے مار قوتِ حیدری

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے سے چاہی حرم بتا
 کہ ترے پتھر کو پھر عطا ہو دہی سرثستِ بمندر کی
 لگہ جفا تے وفا ناکہ حرم کو اہل حرم سے بے
 کسی بستکدے میں بیان کروں تو کے صنم بھی ہری ہری ”
 نہ ستینزہ گاں جہاں نہیں، نہ حریف پنج نگن نئے
 وہی فطرتِ استاللہی وہی مر جی وہی عنتری
 کرم اے شہرِ عرب و عجم کو کھڑے میں منتظر کرم
 وہ گمراہ کہ تو نے عطا کیا ہے جن خیں فیارِ عسکری

اسیری

ہے اسیری اعتبار اخراج ہو فطرت بلند قدرة نیساں ہے نہ زان صوف سے راجمند
 مشک از فر چیز کیا ہے اک لہو کی بونبے مشک بن جاتی ہے ہو کر ناخ آہو میں نہ
 ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرتِ محظ کم ہیں وہ طائر کہ پیس دام و فرس سے بمند
 ”شپر زاع و زخن در بند قید و صید فرست
 ایں سعادتِ قسمتِ شباز و شاہین کردا نہ“

در پوزہ خلافت

اگر بکھر ہاتھوں سے جاتا ہے جائے تو حکامِ حق سے نہ کربے و فانی
 نہیں تجھ کو تاریخ سے آجھی کیا؟ خلافت کی کرنے لگا تو کہاں

حضریریں نہ ہم جس کو لپنے لوئے مسلمان کو ہے نگ وہ پادشاہ
 "مرا از شکستی چنان عار ناید
 که از دیگران خواستن موبیانی"

ہمایوں

(مسٹر جسٹس شاہ دین مرحوم)

لے ہمایوں زندگی قیری سرا پا سوزنی
 تیسری چنگاری حپ ران اجنب افزو زنی!
 گرچہ تھا تیسرا تن خاک نزار و در مندر
 بختی ستارے کی طرح روشن تری طبع بند
 کس قدر بیباک دل اس نتوان پسکریں تھا
 شعلہ گردوں نور داک مشت خاکستہ تھا
 موت کی لیکن دل دانا کو کچھ پروا نہیں
 شب کی خاموشی میں جز ہنگامہ فردانیں!
 موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
 ہے یہ شام زندگی، صبحِ دوام زندگی!

خضر راہ

شاعر

صال دریا پہ میں اک رات تھا مجھ نظر
گوشہ دل میں چھپائے اک جہاں مُضطرب
شب سکوت افزا، ہوا آسودہ، دریا نرم نہیں
تھی نظر جیسا کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے گوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطرب تھی کہیں گھر ایسوں میں مست خواب!
رات کے اضوں سے طارِ آشیانوں میں اسیں
انجم کم ضو گرفت بارِ ظسم مانہتا ب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیسا خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر زنگِ ثباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار از
چشمِ دل دا ہو تو ہے تقدیرِ عالم بے حباب!
دل میں یسن کر بپا ہمنگا مہ مختسبا
میں شھید جستجو تھا یوں سخن گستہ ہوا

لے تری چشم جہاں میں پر وہ طوفانِ اشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خوش
 "کشتی مسکین" و "جان پاک" و "دیواریستیم"
 علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحراء نور
 زندگی تیری ہے بے روز و شب دفردا و دوش
 زندگی کا راز کیا ہے؟ سلطنت کیا چیز ہے؟
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیا خروش؟
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ، دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نے دولت کے میں پیرا یہ پوش!
 گرچہ اسکندر رہا محسوم آب زندگی
 فطرتِ اسکندری اب تک بے گرم نادُ نوش!
 بیچا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک دخون میں مل رہا ہے ترکانِ محنت کوش!
 آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے!
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے؟

حوالہ خضر

صحرا نور دی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نور دی پر مجھے؟
 یہ تکاپوئے دادِ مزمودگی کی ہے دیلش

اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
 کوئی بختی ہے جب فضائے دشت میں یا نگرِ حیل
 رہیت کے شیلے پر وہ آہو کا بے پردا خرام
 وہ حضر بے برگ و سامان وہ سفر بے نش و میل
 وہ نمودا ختر سیما ب پا ہستہ نام صبح
 یا نمایاں با م گردولے کے جبین جبریل!
 وہ سکوت شام صحرا میں عزوب آفتاب
 جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل!
 اور وہ پانی کے چھٹے پر مقام کارواں
 اہل ایساں جس طرح جنت میں گرد سلیل!
 تازہ دیرانے کی سودائی مجبت کو تلاش
 اور آبادی میں زنجیری کشت و نخیل!
 پنختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
 ہے یہی اے بیخبر رازِ دوام زندگی!

زندگی

برتر از اندیشہ سود و زیاب ہے زندگی
 ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی!
 تو اسے پہیا نہ امروز و فردا سے نہ ناپ
 جاو داں، پیغم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی!

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندگی میں ہے
ستر آدم ہے فغمیر کن فکار ہے زندگی!
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جو کے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی!
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے ان تو کم آب
اور آزادی میں بکر بکریاں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسبیحہ سے
گرچہ اک متی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ جواب
اس زیان خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے متی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے ششیشہ بے زہار تو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی طریقہ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمینِ اُسمانِ مستغار
اوڑ خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوتِ پہاں کو کر دے آشکار
تایہ چنگاری فروعِ جادوں پیدا کرے
خاکِ مشرق پر چمک جائے مثالِ آفتاں
تا بد خشاں پھرو ہی لعلِ گراں پیدا کرے

سوئے گردوں نالہ شبیگر کا بھیجے سفیر
 رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبناوں بجھ کو رمز آیہِ انَّ الْمُلُوْكَ
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری
 خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساعتی
 جادوئے محدود کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں سازِ دلبری
 خونِ اسرائیل آجاتا ہے آخر بوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی مولیٰ طسمِ سامری
 سرو دری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک دہی باقی بتان آزری
 از غلامی فطرت، آزاد را رسوا مکن
 تمازشی خواجہ از برہمن کافسہ تری
 ہے وہی سازِ کہنِ مغرب کا جہوی نظام
 جس کے پردوں میں نہیں غیر از نواسے قیصری

دلیو اس بنداد جھوری بقا میں پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے سیٹھے خواب آوری
 گرمی گفتار اعضائے مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سرابِ زنگ دبو کو ٹھکستان سمجھا ہے تو
 آہ ! اے ناداں قفس کو آشیان سمجھا ہے تو

سماں و محنت

بندہ مزدور کو جاگر مرا پیغام دے
 حضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیغم کائنات
 اے کہ بچھو کو کھا لیا سرمایہ دار حسید گم
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
 دست دولت آفسنی کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت چیزے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
 ساحرِ المؤوظ نے بچھو کو دیا برگِ حشیش
 اور تو اے بیجس بس بھا اے شاخ نباتا
 نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، زنگ
 "خواجہ" نے خوب چن چن کے بنائے مُسکرات

کث مراناداں خیالی دیلواناوں کے لیے
 منکر کی لذت میں شواگری نقشِ حیات
 مکھ کی چالوں سے باز؛ لے گیا سریدار
 انتہائے سارگی سے کھا گیا مزدود رمات
 اللہ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمتِ عالم تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ سار غافل ترے دامن میں شنبہ کر تک
 نغمہ بسیداری بسدر ہے سامان علیش
 قصہ خواب آدرا سلندر و جنم کب نمک
 آفتاب تازہ پسیر را بطنِ گیتی کے ہوا
 آسمانِ ادوبے ہو کے تاروں کا کام کب نمک
 توڑ ڈالیں فطرت انسان نے زنجیریں تمام
 دوریِ جنت سے روئی پشمِ آدم کب تک
 باخوان پارہ فرمائے یہ کتنے ہے بمار
 زخمِ کل کے داسٹے تدبیرِ مردم کب تک؟
 کرمک ناداں طوافتِ شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہوا

دنیا کے اسلام

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی اسٹان
 مجھ سے کچھ پہنچاں نہیں اسلامیوں کا سوز و سما

لے گئے شیش کے فزند میراث خسیل ۱۰
خشت جیا کلیسا بن گئی خاک محبازا
ہو گئی رسواز نانے میں کلاہ لار رنگارا
جو سراپا ناز تھے ، میں آج مجبور نیازا
لے رہا ہے مے فردشان فرنختاں سکا پرس
وہ نئے سرکش ہارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو گردیتا ہے گاڑ
ہو گیا مانند آب ارزان مسلمان کا نو
مضطرب ہے تو کہ تبرادل نہیں دانائے راز

گفت رومی ہر بنا کے کمنہ کا باداں کھنند
می نداں اول آں بنیاد راویراں کھستند

”لماک۔ پانچواہ سے گیا مدد۔ ای انکھیں کی کیمی۔“
حق ترا پشمے عطا کر دست غافلہ در دنگا
موہیاں کا گدائی سے تو جتر ہے شکست
مور بے پر اسابتے پیش سیدمانے مبر
ربط و سنبھل دت۔ بیضا بے مشرق کی بجات
ایشیا والے ہیں اس نجتے سے اب تک نیخبر
پھر سیاست پکوڑ کر داخل حصادر دیں میں تو
لماں دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شمر

ایک ہوں مسلم حرم کی پاس بانی کے یہ
 نیل کے ساحل سے لے کر تا بناک کاشقر
 جو کرے گا امتیاز رنگ دنوں مٹ بٹا
 ترک خندگاہی یو یا اعسرابی والا آہرا
 نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گی
 اڑیجی دنیا سے تو مانندِ خاک رہنڈرا
 تا خلافت کی پنا دنیا میں ہو پھر استوار
 لا کہیں۔ سے ڈھونڈ کر اسلام کا قلب و جگر
 اے کنشنا سی خفی را از جل ہشیار باش
 اے گرفتار ابو بکر و عشیل ہشیار باش
 عشق کو فساد لازم حق سو رو بھی ہو پئی
 اب ذرا دل تھام کفر بیاد کی تاثیر دیکھا
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا غدر ج
 موج مضطركس طرح بننی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھا
 اپنی خاکستہ سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھا
 لکھوں کر انکھیں مرے آئیسہ گفار ہیں
 آنے والے دور کی دھنڈلی سی اک تصویر دیکھا

آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گروں کے پاس
سامنے قفت دیر کے رسولی تدبیر دیکھا
مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش، نظر لائی خلیف المیعاد دار

طُلوعِ اسلام

دلیل صحیح روشن ہے تاروں کی تنگ تابی
افتن سے آفتاب ابھرا، گیا دور گراں خوابی
عمر وق مردہ مشرق میں خون زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا وفارابی
مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلایم ہاتے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطامومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والے
شکوہ ترمذی، ذہن ہندی، نطق اعسرابی
اثر کچھ خواب کا عینخوں میں باقی ہے توئے میبل
”نووار تلخ ترمذی زن چو ذوقِ نفسہ کم یابی“
ترڈپ صحنِ چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں
 جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیما بی

وہ چشم پاک میں کیوں زینت برگستوان دیکھے
 نظر آئی ہے جس کو مردِ غازی کی حبگرتانی!
 ضمیرِ لالہ میں روشن چراغ آرزو کروئے
 چمن کے ذرے ذرے کو شید جستجو کروئے
 سر شک چشمِ مسلم میں ہے نیسان کا اثر پیدا
 خشیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر پیدا
 کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
 یہ شاخِ ماشی کرنے کو ہے پھر برگ و برپیدا!
 ربو داؤں ترک شیرازی دل تبریز و کابل را
 صبا کرتی ہے بو کے گل سے اپنا ہم منقر پیدا!
 اگر عثمانیوں پر کوہ عنم لوٹا تو کیا عنم ہے
 کر خونِ صد هزار انجام میں ہوتی ہے سحر پیدا!
 جہاں بانی سے ہے دشوار تکار جہان میں
 جبکہ خون ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا!
 ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر دتی ہے
 بُریِ مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دید و پیدا!
 نواپیدا ہواے ملبل کہ ہوتیرے ترمیم سے
 کبوتر کے تن نازک میں شہیں کا جگر پیدا!
 ترے سینے میں ہے پوشیدہ راتِ زندگی کہہ دے
 مسلمان سے حدیث سوز و سازِ زندگی کہہ دے

خدا کے لمیزیل کا دست قدرت تو، زبان تو ہے
 یقین پسید اکرے غافل کر مغلوب گماں تو ہے
 پرے ہے چرخ نیلی خام سے منزل مسلمان کی
 تارے حبس کی گرد راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
 مکان فناں، بیکن آنی، ازال تیرا، ابہ تیرا
 خدا کا آخری پیغمبیر ہے تو، جاوداں تو ہے
 خابند عروس لالہ ہے خون حبہ تیرا
 تری نسبت بر ایمی ہے معمار جہاں تو ہے!
 تری فطرت ایس ہے ممکنات زندگانی کی
 جہاں کے جو ہر مضمون کا گویا انتہا تو ہے
 جہاں آب و گل سے عالم حب و ید کی خاطر
 بخوت سالخوش جس کوئے گئی، وہ ارمغان تو ہے!
 یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
 کہ اخواهم زین ایشیا کا پاسباں تو ہے
 سبیں پھر پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
 بیجا کے ٹھاٹھے سے کام دنیا کی امامت کا
 یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
 انخوت کی جس نیحری، محبت کی فراہانی
 بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں کم ہو جا
 نہ تواری رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

میان شاخہ راں صحبتِ مرعِ چمن کب تک
 ترے بازو میں ہے پروازِ شاہین قستانی
 گمان آباد ہستی میں یقین مردِ سلیمان کا
 بیباں کی شبِ تاریک میں قندیل ہبانی
 مٹیا قیصر دکسری کے استیندار کو جس نے
 وہ کیا تھا؟ زورِ حیدر، فخرِ بوذر، صدقِ علامی
 ہونے کے احرارِ لدت جاوہ پیما کس تحمل سے
 تماشائیِ شکاف درے ہیں صدیوں کے زندانی
 ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دنیا میں
 کہ المانی سے بھی پایسہ تو نکلا ہے تو رآنی
 جب اس انگارہ خاک میں ہوتا ہے یقین پیدا
 تو کریستا ہے یہ بال و پیر روح الامیں پیدا
 غلامی میں نہ کام آتی ہیں، شمشیریں نہ تدبریں
 جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
 کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
 نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
 ولایت، پادش ہی، علمِ اشیاء کی جانچری
 یہ سب کیا ہیں؟ فقط اس نجتِ ایمان کی تفسیریں
 برائی کی نظر پیدا محرّم مثل سے ہوتی ہے
 ہوس چھپ چھپ سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں

نیز بندہ و آقا فسادِ ادمیت ہے
 خدا کے چیرہ دنماں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!
 حقیقتِ ابک ہے ہر شے کی خاکی ہو گئے نوری ہے
 اونورِ شید کا پیکے اگر ذرے کا دل چیزیں
 یعنیں مخلص، علی پیغم، محبتِ فنا تج عالم
 جہادِ زندگانی ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
 چہ باید مردِ راطبع بلندے، هشرب نلبے
 دل گرمے، نجاہ پاک بیٹے، جان بیتابے!
 عقابی شان سے جپھٹے تھے جوبے بالِ فرج
 ستارے شام کے خونِ شفوق میں ڈوب کر نکلے!
 ہوتے مدفن دریا زیر دریا تیر نے والے
 طماں پھے موج کے کھاتے تھے جو بن کر گھر نکلا
 عبارِ حکمر ہیں، یکمیا پر نازِ تھا جن کو
 جینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکیرہ گر نکلا
 ہمارا نرم رو قاصد پیام زندگی لایا
 خبرِ دیتی ہلتیں جن کو برسیاں وہ نیز نکلے!
 حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نجاہی سے
 جوانان تواری کس فسدر صاحبِ نظر نکلے!
 زمیں سے نوریانِ آسمان پر داڑ کہتے تھے
 یہ خاک زندہ تر، پائیںدہ تر، تابنِ عز نکلے!

جہاں میں اہل ایمان صورتِ خورشید جنتے ہیں
 اُدھر ڈوبے، اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے، اُدھر نکلے
 یقین افساد کا سرمایہ تعمیرِ ملت ہے
 یہی قوت ہے جو صورتِ گرِ تقدیرِ ملت ہے
 تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
 خودی کا رازِ داں ہو جا، حسدِ کامِ ترجمہاں ہو جا
 ہوس نے کر دیا پتے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انسان کو
 انخوٹ کا بیان ہو جا، محبت کی زبان ہو جا
 یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
 تو اے شرمندہ ساحلِ اچھل کر بے کراں ہو جا
 غبارِ الودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
 تو اے مرغِ حرمِ اڑنے سے پسلے پر فشاں ہو جا
 خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سرزاںِ کافی ہے
 نکل کر حلقةِ شام و محمرے جا و داں ہو جا
 مصافتِ زندگی میں سیرتِ فولاد پسیدا کر
 شبستانِ محبت میں حریرہ پر نیاں ہو جا
 گزر جاں کے سیلِ تندرو کو، و بیابان سے
 چکتاں راہ میں آئے تو جو کے نغمہ خواں ہو جا
 ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
 نہیں ہے تجھے سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نواؤ کوئی

ابی تک آدمی صید زبون شریاری ہے
قیامت بے کہ انسان نوع انسان کا شکاری ہے
نظر کو پیرہ نکتی ہے چمک تندیب حاضر کی
یہ صفت علی ملحوظ نہ کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز خا جس پر مژو من ران مغرب کو
ہوس کے پنجہ نوں میں تنخ کارزاری ہے
تدبر کی فسوس کاری سے حکم ہوندیں سکتی
جہاں میں جس قدر ان کی بنا سرایہ داری ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں زوری ہے زندگی ہے
خودش آموز بدل ہو گرد غنچے کی واکر فے
کہ تو اس گلستان کے واسطے باہم بھاری ہے
پھر انھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی
نہیں جو لامبے اطلس قبیان تشتاری ہے
پس پسید اخزید اراست جان ناتوانے را
پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را

بیاساتی نوائے مرغ زار از شاخار آمد
بھار آمد، نگار آمد، نگار آمد، فترار آمد
کشیدا بر بھاری شتمہ اندر وادی و محرا
حمد لئے آبشاراں از فسراز کوہ سار آمد

سرت گردم تو هم قانون پیشین سازده ساقی
 که خیل نعمت پردازان قطار اندر قطار آمد
 کنار از زاہدان برگیر و بیبا کانه ساغر گش
 پس از مدت ازیں شاخ کمن با نگ هزار آمد
 پرستاقان حدیث خواجہ پدر و تنیں آدر
 تعرف هاکے پنهانش بچشم آشکار آمد
 در گرشاخ خیل از خون مانگانک میگرد
 ببازار محبت نفیس ما کامل عسیار آمد
 سرخاک شیدے برگهای لاله می پاشم
 که خونش پانه ای طلت ماساز چهار آمد
 و بیتا گل بیفت نیم و نیم در ساغر اندازیم
 فلک را سقف بشکافیم و طرح دیگراندیزیم

غزلیات

لے باد سبا اکٹھی والے سے جا کھیو پیعنام مل
 قبضے سے امرت بیچاری کے دیں بھی گیا، دینا بھی کئی
 یہ موڑ پر ریش خاطر کو پیغام لب سملنے دیا
 ہے دور وصال بھرا بھی، تو دریا میں گھبرا بھی گئی
 عزت ہے مجتہد کی قائم اے قیس! حجابِ محلے سے
 محل جو گیا، عزت بھی گئی، غیرت بھی گئی، بیلا بھی گئی
 کی ترک تہک و دوقطہ نے، تو آبرو کے گوہر بھی ملی
 آوارگی فطرت بھی گئی، اور کشمکش دریا بھی گئی
 نکلی تو لبِ اقبال سے ہے، یہاں جانتے کس کی ہے صدا
 پیغام سکوں پہنچا بھی گئی، دلِ محفل کا ترپ پا بھی گئی!

○ یہ سرو د قمری و ببل فریب گوش ہے
 باطن سہن کامہ آباد چمن خاموش ہے
 تیرے پیالوں کلبے یہ اے نے مغرب اڑ
 خندہ زن ساقی ہے، ساری انگن بیو شہ ہے
 دہر کے غم خلنے میں تیرپتا ملت نہیں
 جرم ہقا کیا آفرینش بھی کہ تور دلوں نہیں ہے
 آہ! دنیا دل بھجنی ہے جے، وہ دل نہیں
 پسلوئے انساں میں اک ہنخا مرخام خاموش ہے
 زندگی کی رہ میں چل، لیکن ذرا بخ کے چل
 یہ سمجھ لے کوئی میسنا خانہ بار دو شہ ہے
 جس کے دم سے دلی دلا ہمور ہم پل ہوئے
 آہ! اے اقبال، وہ ببل بھی اب خاموش ہے

○ اپنے سینے میں اے اور ذرا تھام ابھی
عشق ہو مصلحت انڈیش تر ہے خام ابھی
عقل ہے محو تماشا کے لبِ پام ابھی
عقل سمجھی ہی نہیں معنی یہ یعنی ابھی
تو ہے زنانی بست غانہ ایام ابھی
ہے ترے دل میں وہی کاوشی ابھی مام ابھی
تیری میزاں بے شمار بحدوث مام ابھی
مرے کسار کے لائے میں تھی جام ابھی
مرے ساغرے بھجکتے ہیں مے آشام ابھی
خراقبال کی لائی بے گھستاں سے نیم
نو گرفتار پھر رکتا بے تِ دام ابھی

○ چشمِ مهر و مر و انجم کو تماشائی کر
بے جا باندھ مرے دل سے شناسائی کر
تیرے سینے میں اگر ہے تو میحانی کر
اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سیناٹی کر
ہو تو ہی خاک کے ہر ڈئے سے تعمیر حرم
دل کو بیکھاڑ اندازِ کلیساٹی کر
ناز بھی کرنو باندازہ رعنائی کر
پسے خود دار تو ماں سکندر ہوئے پھر جہاں میں ہوں شوکت داری کر
مل ہی جائے گی کبھی منزلِ یعنی اقبال
کوئی دن اور ابھی با دیر پیسائی کر

پھر باد بس ارائے اقبال غزل خواں ہو
 غنچہ ہے اگر کل ہو اجل ہے تو ٹکلتا ہو
 تو خاک کی مٹھی ہے، اجزا کی حرارت سے
 برہم ہو، پریشان ہو، معت میں باہ ہو
 تو جس محبت ہے، قیمت ہے گراں تیری
 کمایہ ہیں سوداگروں دلیں میں اڑاں ہو
 کیوں ساز کے پرے میں ستور ہوئے تیری
 تو نعمہ رنچیں ہے، ہر گوش پر عیاں ہو
 لے رہا و فرزانہ، رستے میں اگر تیرے
 ٹکشن ہے تو شتم ہو، سحر ہے تو طفان ہو
 سامان کی محبت میں مضر ہے تن آسانی
 مقصد ہے اگر منزل، غارت گر سامان ہو

کبھی اے حقیقت فُنُثُر، نظر آباس س مجاز میں
 کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں
 طرب آشنا خروش ہو، نونو اسے مجرم گوش ہو
 وہ سرد کیس کہ چھپا ہوا ہو سکوت پر دہ ساز میں
 تو پچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئندہ بے وہ آئندہ
 کشکستہ ہو تو عزیز تر ہے نجاه آئندہ ساز میں
 دم طوف کرک شمع نے یہ کہا کہ وہ اڑکن
 نہ تری حکایت سوزیں، نہ مری حدیث گداز میں
 نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
 مرے جرم حنا خراب کو ترے غنو بندہ نواز میں
 نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شو خیاں
 نہ وہ غزنوی میں ترڈپ رہی، نہ وہ خم سے زلف ایاں

جو میں سر سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگا صد
تزادل تو بے صنم آشنا تجھے کیا ملے گانماڑیں



تِ دام بھی عزل آشتار بے طائران چین تو گی
جو فغاں دلوں میں ترپ رہی بھتی نولے زیر بی رہی
ترا جبلوہ کچھ بھی تسلی دل ناصبو نہ کر سکا
وہی گریئے سحری رہا، وہی آہ نیم شبی رہی
نہ خدارہا نہ صنم رہے، نہ رقیب دیر و حرم ہے
نہ رہی نہیں اسد اللہی، نہ کہیں ابو الہی رہی
مرا ساز اگر چو ستم رسیدہ نحمدہ ہائے حجم رہ
وہ شہیدِ ذوقِ وفا ہوں میں کہ نو امری عربی بھی



گرچہ تو زندانی اسباب ہے
قلب کو نیکن ذرا آزاد رکھ
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ
اے مسلمان ہر گھری پیش نظر
آیہ لَوْيُخْلِفُ الْبَيْعَادُ رَكْه
”یہ لسان اللہ“ کا پیغام ہے
إِنَّمَا قَعْدَ اللَّهُ حَقًّا يَادُ رَكْه

ظرفانہ

مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں مغرب میں مجرم شیں بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمکے پتے وہ ایک کے تین تین بن جاتے ہیں

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈ لی قوم نے فلاج کی راہ
روشِ مغزیل ہے مذہب نظر وضعِ مشائق کو جانتے ہیں گناہ
یر ڈراما دکھائے کا کیا سیں؟ پرداہ اٹھنے کی منتظر ہے نغاہ

نشیخ صاحبِ بھی تو پڑے کے کوئی حامی نہیں مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بڑھنے والے
د عظیم فرمادیا کل آپنے یہ صفات پرداہ آخرگس سے ہوجب مرد ہی نہ ہو گئے

یہ کوئی دن کی بات ہے ناے مرد ہو شمند غیرت، زنجھیں ہو گی نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض کوئی کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی

تعلیمِ مغزیل ہے بہت جرأت آفریں پہلا سبق ہے بلیخوکے کالج میں مارڈی جگ
بتے ہیں ہند میں جو خربزار ہی فقط آغا بھی لے کے آتے ہیں پانے دلن سے ہیں

میرا یہ حال، بوٹ کی ٹوچا ٹتا ہوں میں ان کا یہ حکم، دیکھو! مرے فرش پر زینگ
کھتے لگے کہ اونٹ بے بھدا سا جانور
اچھی ہے تا نے رکھتی ہے کیا نوک دار زینگ

○
کچھ عالم نہیں جو حضرت واعظہ ہیں تنگست تہذیب نو کے سامنے سراپا ختم کریں
ردِ جہاد میں توبہت کچھ لکھا گئیں تزویدِ حج میں کوئی رسالہ رقم کریں

○
تہذیب کے مریض کو جو لی سے فائدہ؟ دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے!
نقیہ وہ بھی دن کہ خدمتِ اُستاد کے عوام دل چاہتا تھا ہر یہ دل پیش کیجیے!
بدلازمانہ ایسا کہ لا کا پس از سبق
کہتا ہے ما سڑ سے کہ بل پیش کیجیے!

○
انتبا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تک
چھتریاں، رومال، مصندر، پیرہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگرفت عالم رہی
ایسیں گے غشائیں کابل سے، کفن جاپان سے

○
ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا ملکا ہے!
واں کنڑ سب بلوری یہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے
اس دور میں سب مت جائیں گے ہاں! باقی وہ جا ملکا ہے
جو قائم اپنی راہ پر ہے اور پیکا اپنی ہٹ کا ہے

اے شیخ دبرہ من! سنتے ہو کیا اہل بصیرت کہتے ہیں؟
 گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو کہنے پہنچا ہے
 یا باہم پیار کے جلسے تھے و ستورِ محبت قائم تھا
 یا بحث میں اردو ہندی بے یا فربانی یا جھٹکہ ہے

○
 "اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے" غالباً قولِ صحیح ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا؟
 کیوں اے جناب شیخ! آپ نے جبی کچھ کہتے تھے کہ عذالوں سے کل اہل درگیر کیا؟
 ہم پوچھتے ہیں مسلم عاشقِ مراجع سے الفت بتوں سے ہے تو بہمن سے یہ کیا؟

○
 ہاتھوں سے اپنے دامنِ دنیا نکل گیج رخصت ہوا لوں سے خیالِ معادِ بھی
 قانونِ وقف کے لیے لڑتے تھے شیخ جی پوچھو تو وقف کے لیے سہے جائیداد بھی

○
 وہ سبول ارادہ خود کشی کا جب کیا میں نے مذہب کے، تو اے عاشقِ اقدم! باہر نہ دھرم دے
 ذہرات بے نہ خبر ہے تو قصدِ خود کشی کیا؟ یہ مانا دردنا کامی گیا تیرسا اگزرسدے
 کہا میں نے کٹے جانِ جہاں کچھ لفڑ لواہ کرائے پر منکاروں کا کوئی افغانِ سرحد سے

○
 ناداں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر حاصل ہوا یہی، نہ پچے مار پیٹ سے
 مغرب میں ہے جہا ز بیابانِ شتر کا نام ترکوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

○
 ہندوستان میں ہجز و حکومت میں کونسلیں آغاز ہے ہمارے یا اسی مکال کا
 ہم تو فقیر تھے ہی، ہمسار ان کام تھا سیکھیں سلیقہ اب امر ابھی "سوال" کا

میری اپنے بیل کو نسل کی کچھ مشکل نہیں دوٹ تو مل جائیں گے پسے بھی لوئیں گیا؟
میرزا غالب خدا بخشنے، بجا فرمائے گئے ”ہم نے یہ مانکار دتی میں میں کھائیں گئے؟“

دیلہ مہرو وفا اس سے بڑھ کے کیا ہوگی
نہ ہو حضور سے الفت تو یہ ستم نہ سہیں
مُصرِّ ہے حلقة، مکیٹی میں کچھ کہیں ہم بھی
محجور رضا کے کلکٹر کو بھانپ لیں تو کہیں
وہ ہربانیں میں اب پھر رہیں رہیں خرہیں
زمین پر تو نہیں، ہندوؤں کو جا ملتی
محجور جہاں میں میں ہیں خالی سمندوں کی تہیں
مشال کشتی بیس میطع فرنڈاں ہیں
کو تو بستہ ساحل رہیں، کہو تو بہیں

فرما رہے تھے شیخ طرائق عمل پر وعظ
کفار ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوش
مشرک ہیں وہ جو رکھتے ہیں مشرک کے یعنی
لیکن ہماری قوم بے محروم خقل و ہوش
تاپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی
سن لے اگر بے گوش سلیں کا حق نیو ش
اک بادہ کش بھی وعظ کی محفل میں تھاشک
جس کے لیے نصیحت و اعظظت ہی بار گوش
کئے لھاستم ہے کہ لیے تھیو د کی پابند ہو تجارت سامان خورد و نوش
بیس نے کہا کہ مآپ کو مشکل نہیں کوئی
ہندوستان میں میں کامنگو بھی مے فروش؟

دیکھیے جلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک شیشہ دین کے عوض جام و سبولینا ہے
ہے مداوائے جنوں نشتر تسلیم جدید میرا سرجن رگ ملت سے لہو لیتا ہے

نہیں اک حال پر دنیا میں کسی شے کو قرار
 سنتی ہوں اپنے بھی توڑ کے رکھ دی ہے، ہمار
 ریل چلنے سے محروم شد عرب میں بیکار
 بھی لکھتے ہوئے ہونٹوں صدائے زندگانی
 نہ رہا آئندہ دل میں وہ دیرینہ غبار
 ہے تھے چاہنے والوں میں ہمارا بھی شامل
 ہم تو ہیں ایسی کھلیلوں کے پرانے بیمار
 بے زبانوں میں بھی پیدا ہے مذاق گفار
 گرچہ کچھ پاس نہیں چارہ بھی کھاتے ہیں ادھا
 ایک ہی رنگ میں نیچیں ہوں قبیلے پناوقا
 ہم زبان ہو کے رہیں کیوں نظیور گز اور
 نوبھی مرثا رہو، تیرے رفعا بھی شرار
 حاکمے اک وزہ ہوتی اونٹ سے یوں گعنٹ
 میں تو بندام ہوتی توڑ کے رستی اپنی
 ہند میں آپ تو ازدواج سے سیاست ہیں ہم
 کھل تک آپ کو تھا حاکمے کی محفل سخن
 آج یہ کیا ہے کہ ہم پر ہے عنایتِ اتنی
 جب یہ تقریر سنبھالی اونٹ نے شرما کر کہا
 رشکِ صد عمر زادہ اشتہر ہے تری ایک کلیل
 ترے ہنچا مول کی تائیر یہ پھیلی بن میں
 ایک ہی بن میں ہے مدت سے اسیراپنا
 گو سفند و شردگا و پلنگ و خرلنگ
 با غداں ہو سجن آموز جو یک رنچی کا
 دے وہی جام ہمیں بھی کہ مناسب ہے یہی
 ”ولن حافظ پچھا از زد پیش رنچیں کن
 و انگوش مست و خراب از رہ بازار بیار“

○

رات مجھرنے کہ دیا مجھے سے ماحسر اپنی ناتھ می کا
 مجھ کو دیتے ہیں ایک بونڈ بو صدمہ شب بھر کی تشنہ کامی کا
 اور یہ بسوہ دار بے زحمت
 پی گیں سب اوسامی کا

○

یہ آئے نوجیل سے نازل ہوئی مجھ پر گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں گیتا
کیا خوب ہوئی آشتی سی شیخ و برہن اس جنگ میں آخوند یہ ہارا نہ وہ جیتا
مندر سے تو بیزار تھا پھلے ہی سے بُردی
مسجد سے نکلتا نہیں، ضدِی ہے میتا"

○
جان جائے ہاتھ سے جلدے نہ سوت بہی اک بات ہر مرد ہبک کا تنت
چٹے بیٹے ایک ہی بھیلی کے ہیں سا ہو کاری، بسوہ داری، سلطنت

○
محنت و سرمایہ دنیا میں صحت اڑا ہو گئے دیکھیے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون
حکمت و تدبیر سے فرشتہ آشوب خیز ٹل نہیں سکت "وَقَدْ كُنْتُمْ تَسْتَغْلُونَ"
کھل گئے "یا جوج اور ما جوج کے نشتریاں چشمِ مسلم دیکھ لے تفیرِ حرفِ پیشلوں"

○
شام کی رخصی سے رخصت ہے وہ رندِ لمبی زیل رکھ کے میخانے کے سارے قاعدے بالائی طاق
یہ اگرچھ ہے تو ہے کس درجہ عبرت کا مقام رنج اک پل میں بدل جاتا ہے بیسی اوقیان
حضرت کرزن کو اپنے نکرِ مدارا ہے ضرور حکم برداری کے معنے میں ہے درد لایا طاف
و فدہ بندُستاں سے کرتے ہیں سراً عاخال طلب
کیا یہ چوراں ہے پے ہضمِ فلسطین و عراق؟

○
تکرار ہتھی مزارع و مالک میں ایک روز دو فویہ کہہ رہے تھے مر امال ہے زمیں
کھتا تھا وہ، کرے جو زراعت اسی کا کھیت کھتا تھا یہ کہ عقلِ ٹھکانے تری نہیں
پوچھا زمیں سے میں نے کہے کس کا مال تو بولی بجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین

مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے
جوزیر آسماں ہے وہ دھری کمال ہے

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تندیب کے اٹھے ہیں گندے
الکشن، ممبری، کونسل، صدارت بنائے خوب آزادی نے پھندے
میان بخار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

کارخانے کا ہے مالک مرد کنگرڈہ کار عیش کا پتلا ہے، محنت ہے اسے ناساز گار
حکم حق ہے لیس للہنسان الاماسفع کھائے کیوں مزدود کی محنت کا پھر سرماڈار

سابے میں نے کھل گیفتگو بخت کارخانے میں پرانے جھونپڑوں میں بے ٹھکانا دستکاروں کا
مکحور کارنے کی خوب کونسل ہال بنوا یا کوئی اس شہر میں تجیر نہ قاصر مایدروں کا

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پانی ہے، بر سوں میں نمازی بن نہ سکا
کیا خوب امیر فیصل کو سنوںسی نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا
ترانگیں تو ہو جاتی ہیں، پر کیا لذت اس روئے میں
جب خون جگر کی آمیر شس سے اٹھک پیازی بن نہ سکا
اقبال بلا پیدیٹک ہے من بالتوں میں موہ لیتا ہے
کفار کا غازی تو یہ بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا





ڈاکٹر بشیر سعیفی	خاکہ نگاری (فن و تقدید)
ڈاکٹر بشیر سعیفی	اردو میں انسانیت نگاری
مہین الدین	ہم اردو کیسے پڑھائیں
ڈاکٹر عطش درانی	اسلامی تمدن و ثقافت
ڈاکٹر عطش درانی	ابنی جائزے
پنجاب میں اردو اور دفتری زبان	ڈاکٹر عطش درانی
اللاف حسین حال	دیوان حالی
محسن کا کوروی	کلیات محسن
ڈاکٹر بشیر سعیفی	گفتار
فرخنده نمرن حیات	راتے جدا ٹھہرے
امار کلی۔ ایک تقدیدی جائزہ	امار کلی۔ صابر کلوروی
قریزدانی	زندہ و پاکندہ پاد
مرتبہ۔ شزاد حسین	مقامین پطرس
مولانا عبدالحیم شرودی	گذشتہ لکھنو



نیدا سیراستان پبلیشورز
۲۰۔ سلے اردو بazar لاہور